تدبّر
لاہور

جاری کردہ :

مولانا امین احسن اصلاحی

مدیر

خالد مسعود

یکے از مطبوعات

ادارۂ تدبرِ قرآن و حدیث

لاہور۔ پاکستان

نئی اشاعت

امام حمید الدین فراہی علیہ الرحمتہ کی مندرجہ ذیل تالیف مطالعہ فرمایئے

حکمت قرآن

موضوعات:

- امام فراہیؒ کا تصور حکمت
- حکمت کی اصل اور اس کی فروع
- حکمت اور قرآن حکیم
- دین اسلام کا نظام
- دین اسلام کی بنیادیں
- حکمت کا مفہوم
- حکمت کی تعلیم اور اس کا حصول
- حکیم کا طرز فکر و تعلیم
- مذاہب پر غور کا طریقہ

ترجمہ = خالد مسعود

قیمت = -/84 روپے

فاران فاؤنڈیشن

122 - فیروز پور روڈ - اچھرہ' لاہور 54600

فون = 7595200

اسباق النحو

مصنف: خالد مسعود

- امام فراہیؒ کی کتاب پر مبنی نئی ترتیب کے ساتھ
- عربی زبان کے قواعد کی تعلیم کا جدید انداز
- اسم' فعل اور حرف کا ضروری تعارف
- ترجمہ کے لیے مشقیں

"میرے نزدیک یہ کتاب طلبہ فن کے لیے کافی ہے۔ اس سے
عربی زبان سیکھنے کی راہ باز ہو جائے گی"۔

مولانا امین احسن اصلاحی

قیمت: 36 روپے

شائع کردہ: ادارہ تدبر قرآن و حدیث مسلم کالونی رحمان سٹریٹ سمن آباد لاہور

جاری کردہ

مولانا امین احسن اصلاحی

مدیر:

خالد مسعود

تدبر لاہور

شمارہ 63

اپریل 1999ء

ذوالحجہ 1419ھ

فہرست

تذکرہ و تبصرہ

ایک یادگار سفر — خالد مسعود — 3

تدبر حدیث

کتاب البیوع - صحیح بخاری — امین احسن اصلاحی / سید اسحاق علی — 13

دنیا کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے میں صحیح رویہ — امین احسن اصلاحی / سعید احمد — [illegible]

مقالات

تصانیف مولانا اصلاحی — عبدالخالق فاروقی — 34

نظریہ ارتقا — محبوب سبحانی — 43

نالہ فراق — ضیاء الرحمٰن اعظمی — 52

مکاتیب اصلاحی — امین احسن اصلاحی — [illegible]

مجلس ادارت

عبداللہ غلام احمد

ماجد خاور

محبوب سبحانی

سعید احمد

قیمت: -/10 روپے

سالانہ: -/100 روپے

بیرون ملک: -/200 روپے

ناشر: ادارہ تدبر قرآن و حدیث رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد لاہور

مطبع: المطبعۃ العربیۃ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تذکرہ و تبصرہ

خالد مسعود

ایک یادگار سفر

مدرسۃ الاصلاح سرائے میر ...... بر صغیر پاک و ہند میں پھیلی ہوئی سینکڑوں دینی درسگاہوں میں سے ایک درسگاہ ...... ! عام حالات میں اگر یہ نام سننے میں آتا تو کسی مسجد میں قائم ایک مدرسہ کا تصور ہوتا۔ لیکن میرے لیے اس نام کی اہمیت اس سے کہیں زیادہ تھی۔ جب سے مولانا امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ سے کسب فیض کا موقع میسر آیا یہ نام پے در پے کانوں میں پڑتا رہا۔ یہ معلوم ہوا کہ مولانا کے نام کا لاحقہ اس مدرسہ کے ساتھ ان کی نسبت کو ظاہر کرتا ہے جو ان کے وطن مالوف مشرقی یوپی کے ضلع اعظم گڑھ کے قصبہ سرائے میر میں قائم ہے۔ مولانا اسی مدرسہ کے فارغ التحصیل تھے۔ پھر یہیں ان کو مولانا حمید الدین فراہیؒ سے قرآن پڑھنے اور دوسرے علوم کے بارے میں رہنمائی حاصل کرنے کا موقع ملا۔ اس کے بعد اسی مدرسہ میں انہوں نے حیثیت معلم فرائض انجام دیے اور اپنے استاذ کی عربی کتابوں کے تراجم اردو میں کر کے ان کے علم کو اردو دان طبقہ میں متعارف کرایا۔ جوں جوں مولانا اصلاحی کی معیت میں مزید وقت گزرا تو یہ تجربہ ہوا کہ مولانا کے دل و دماغ پر اس مدرسہ نے کچھ ایسے نقوش مرتسم کیے ہیں کہ جب مولانا فراہیؒ اور مدرسہ کا ذکر آتا ہے تو مولانا کا معاملہ وہی ہوتا ہے جو معلقہ کے شاعر امرؤ القیس کا تھا جس نے کہا۔

قفا نبک من ذکریٰ حبیب و منزل

مولانا کی گفتگو طولانی ہو جاتی ہے، ان کی یادوں کے دریچے کھل جاتے ہیں، اور وہ مزے لے لے کر ان ایام کا ذکر کرتے ہیں جو مدرسہ میں گزرے۔ یہ بات بھی دیکھنے میں آئی کہ اگر کوئی صاحب ان کے دیار سے پاکستان آتے تو مولانا مدرسہ کی ہیئت، نظم و ضبط، تعلیم اور رفتار ترقی کے بابت سوالات کرتے۔ وہ مدرسہ کے طہارت خانوں اور ہوسٹلوں کے گرد شجرکاری تک کے بارے میں پوچھتے۔ مولانا پر آخری مرض کا حملہ ہوا تو وہ بے تاب ہو گئے۔ ان کے ذہن پر کئی روز تک یہ خیال مستولی رہا کہ انہیں سرائے میر جانا ہے، وہاں جانے کے لیے گاڑی کب ملے گی، انہیں کون وہاں پہنچائے گا۔ ایک طویل مدت تک استاذ گرامی سے یہ تذکرے سنتے سنتے میرے

دل میں بھی مدرسۃ الاصلاح کی عظمت کا نقش قائم ہو گیا- شوق پیدا ہو تا کہ اس چمنستان فراہیؒ کی زیارت کی جائے- لیکن اس کے لئے عملی اقدام کی کبھی نوبت نہ آئی-

جنوری ۹۹ء کے وسط میں انجمن طلبائے قدیم مدرسۃ الاصلاح کے صدر محترم ' مولانا احتشام الدین اصلاحی کی جانب سے دعوت نامہ موصول ہوا کہ ۲۴ تا ۲۶ فروری کی تاریخوں میں مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی حیات و خدمات کا جائزہ لینے کے لئے ایک سیمینار منعقد کیا جا رہا ہے- اس میں شرکت کی جائے اور مقالہ ارسال کیا جائے- مولانا سے شرف تلمذ کے باعث اس دعوت نامہ نے آتش شوق بھڑکانے میں اپنا کردار ادا کیا- میں نے فی الفور پاسپورٹ بنوایا اور بھارتی ہائی کمیشن کو دو ہفتہ کے ویزا کی درخواست دے دی- بعد از خرابی بسیار ۱۹ فروری کو ویزا منظور ہوا جو براستہ اٹاری ٹرین کے سفر کے لیے تھا- ٹرین ہفتہ میں صرف دو دن ملتی ہے- آئندہ ٹرین ۲۲ فروری کو مل سکتی تھی لہذا میں نے اسی ٹرین سے سفر کا فیصلہ کیا اور اس کی اطلاع سرائے میر میں منتظمین کو دے دی- ٹرین ۲۳ فروری کی صبح کو دہلی پہنچی- ریلوے اسٹیشن پر مدرسۃ الاصلاح کے تین فارغین ' جو اس وقت دہلی کی یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں ' استقبال کے لئے موجود پائے- ان میں صدر انجمن طلبائے قدیم کے صاحبزادے عزیزی نازش احتشام بھی تھے جنہیں میرا "افسر مہمان داری" مقرر کیا گیا تھا- انہوں نے جس منصوبہ بندی اور ذوق و شوق سے اپنی ذمہ داری کو دہلی میں اور اس کے بعد پورے سفر اور عرصہ قیام میں نبھایا وہ لائق تحسین ہے- فی الواقع وہ نہایت ہی سعادت مند رفیق سفر ثابت ہوئے- انہوں نے دہلی سے آگے کے سفر کے لیے پھوی ایکسپریس میں برتھ محفوظ کروا رکھی تھی- یہ گاڑی ۲۴ فروری کی صبح کو بنارس پہنچی-

بنارس ریلوے اسٹیشن پر مدرسہ کے نائب صدر مدرس و استاذ ادب عربی مولانا انیس احمد اصلاحی چھ طلبہ کے ہمراہ موجود تھے- انہیں ہدایت تھی کہ مہمان کو بلا تاخیر سرائے میر لایا جائے- چنانچہ فوراً قافلہ دو گاڑیوں میں اگلے سفر پر روانہ ہو گیا- بنارس سے سرائے میر تقریباً ایک سو کلومیٹر دور ہے- یہ فاصلہ اڑھائی گھنٹے میں طے ہوا- گاڑی مدرسہ کی حدود میں داخل ہوئی تو انجمن طلبائے قدیم کے عہدیداروں ' مدرسہ کے سینئر اساتذہ اور بعض متدوبین کو چشم براہ پایا- نہایت پرتپاک خیر مقدم ہوا- سب لوگوں کے چہروں پر مسرت و بشاشت کے آثار دیدنی تھے- انہوں نے مجھ جیسے ہیچمیرز کو غیر معمولی اعزاز و اکرام کے لائق سمجھا اور بطور خاص اس آرام کرسی پر بٹھایا جو پون صدی پہلے مولانا فراہیؒ اور ان کے بعد مولانا اصلاحیؒ کے زیر استعمال

رہی تھی اور آج کل بزرگوں کی نشانی کے طور پر محفوظ کر لی گئی ہے- میرے طویل سفر کی رعایت سے منتظمین سیمینار نے افتتاحی اجلاس کا انعقاد بعد از نماز ظہر تک موخر کر دیا اور مجھ سے اس کی صدارت کی فرمائش کی- تقریباً دو گھنٹے کے افتتاحی اجلاس کے بعد مناسب وقفوں سے چھ مزید اجلاس ہوئے جن کی صدارت کے فرائض مولانا ضیاء الدین اصلاحی (ناظم دار المصنفین اعظم گڑھ) ' مولانا نظام الدین اصلاحی ' مولانا احتشام الدین اصلاحی ' ڈاکٹر یاسین مظہر صدیقی (علی گڑھ یونیورسٹی) ' ڈاکٹر الطاف احمد اعظمی (جامعہ ہمدرد دہلی) اور ڈاکٹر محمد عنایت اللہ سبحانی (جامعۃ الفلاح بلریا گنج) نے انجام دیے- اول تا آخر سٹیج سیکرٹری کے فرائض پروفیسر ڈاکٹر اشتیاق احمد ظلی (مدیر مجلہ علوم القرآن علی گڑھ) نے انجام دیے اور مقالات کی ترتیب اور دفتری کاموں میں ان کی معاونت ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) نے کی- مقالات کی تعداد ۳۴ تھی جن میں سے ۲۸ مقالات سیمینار میں پڑھے جا سکے- ڈاکٹر ظلی صاحب نے خود اپنے مقالہ کے لئے بھی وقت پیدا کرنا ضروری نہ سمجھا-

افتتاحی اجلاس میں تلاوت قرآن کے بعد طلبہ کے ایک گروپ نے مدرسۃ الاصلاح کا ترانہ گایا جس کے کچھ بول یوں تھے :-

یہ ہمارا چمن ہے ہمارا چمن

رحمت ایزدی اس پہ سایہ فگن   نور شمع یقین زینت انجمن
بوئے ایماں ہے پھیلی چمن در چمن   جوئے عرفاں ہے آغوش میں موجزن

یہ ہمارا چمن ہے ہمارا چمن

گود میں اس کی پلتے ہیں علم و ہنر   ہر طرف ضوفشاں اس کے شمس و قمر
اس کی مٹی سے اگتے ہیں لعل و گہر   اس کے ذرے ہیں صد رشک دُرِ عدن

یہ ہمارا چمن ہے ہمارا چمن

کار فرما یہاں روح دین متیں   مرکز فکر ہے کتاب مبیں
اس کا دستور تقلید جامد نہیں   اس میں فکر فراہی کا ہر سو چلن

یہ ہمارا چمن ہے ہمارا چمن

فی الحقیقت اس ترانہ میں پیش کردہ تصویر مدرسہ کے بام و در سے ہویدا تھی- بعد میں اساتذہ اور طلباء کے ساتھ ملاقاتوں میں بھی یہ بات سامنے آئی کہ اساتذہ و طلبہ دونوں مدرسہ کے مقاصد کا گہرا ادراک رکھتے اور ان کے حصول کے لئے کوشاں رہتے ہیں- مدرسہ کی فضا میں مولانا فراہیؒ ' مولانا اختر احسنؒ اور دوسرے بزرگوں کے انفاس طیبہ کی مہک محسوس ہوتی ہے-

ترانہ کے بعد ناظم مدرسہ مولانا ضیاء الدین اصلاحی نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا جس میں مدرسہ کی تاریخ پر تفصیل سے روشنی ڈالی- دو نوجوانوں نے مولانا اصلاحیؒ کو منظوم خراج عقیدت پیش کیا- ان میں سے مدرسہ کے ایک ہونہار طالب علم ضیاء الرحمٰن اعظمی کی نظم شامل اشاعت ہے- مولانا کے دو معمر شاگردوں --- مولانا عبدالرحمٰن ناصر اصلاحی اور مولانا قمر الدین اصلاحی --- نے اپنے دور طالب علمی کی یادداشتیں سنائیں اور اپنے استاذ گرامی کی یاد تازہ کی- میں نے اپنے مختصر خطاب میں منتظمین مدرسہ و سیمینار کی طرف سے غیر معمولی اظہار محبت اور اعزاز و تکریم کے معاملہ پر ان کا شکریہ ادا کیا- مدرسہ کے علمی و دینی ماحول کی تعریف کی اور استاذ گرامی کے بارے میں بتایا کہ ان کی عزیز ترین کتاب قرآن مجید تھا جس کے فہم اور افہام و تفہیم کو انہوں نے اپنا مقصد زندگی قرار دے رکھا تھا- ان کی تمام سوچ اور فکر کا محور یہی کتاب تھی- جس عنوان پر لکھنا چاہتے تو اسی کتاب کی طرف رجوع کرتے اور ہمیشہ حق کے متلاشی رہتے- اپنے مقصد زندگی کی خاطر انہوں نے بڑی قربانیاں دیں- سرد و گرم ہر طرح کے حالات کا انہوں نے پامردی اور استقلال کے ساتھ مقابلہ کیا- شہری سہولتوں کی قربانی دے کر ایک چھوٹے سے گاؤں میں مقیم ہو گئے اور نہایت مشکل حالات میں اپنی تفسیر لکھی- لیکن کبھی انہوں نے حالات کا شکوہ نہ کیا- حکومتی اہل کاروں نے ان کو جو پیشکشیں کیں وہ اگر ان سے فائدہ اٹھاتے تو ان کی ہر دنیاوی مشکل حل ہو سکتی تھی- لیکن انہوں نے اپنے رب ہی سے محنت کا اجر پانے کو ترجیح دی- ان کے اس رویہ میں ہم سب کے لیے ایک درخشاں مثال ہے-

سیمینار کے مندوبین میں مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اور جامعۃ الفلاح بلریا گنج کے اساتذہ اور فارغین کے علاوہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ' جامعہ ملیہ نئی دہلی ' جامعہ ہمدرد نئی دہلی ' جواہر لال نہرو یونیورسٹی نئی دہلی ' ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ اور لکھنؤ یونیورسٹی کے اساتذہ اور فضلاء شامل تھے- پاکستان سے صرف دو مندوب پہنچے ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی اور میں- دوسرے جن لوگوں کو دعوت نامے بھیجے گئے وہ پاسپورٹ اور ویزا کی بھاگ دوڑ کے لئے وقت کم ہونے یا خرابی صحت کے باعث سیمینار میں شرکت سے محروم رہے- سیمینار

کے چھ اجلاس مقالات کے لئے مخصوص تھے- ان سب میں پانچ چھ سو کی حاضری برقرار رہی- ہر مقالہ کے بعد مندوبین کو سوالات کرنے کا موقع دیا جاتا اور مقالہ نگار ان کا جواب دیتے- مقالات میں ایک تہائی مولانا اصلاحی کے اصول تفسیر اور ان کی تفسیر تدبر قرآن کے بارے میں تھے- باقی دو تہائی ان کی حیات ' خدمات علمی و دینی ' حدیث اور فقہ میں ان کے انداز فکر و تحقیق اور تصانیف کے موضوعات پر تھے- چیدہ مقالہ نگاروں میں مولانا ضیاء الدین اصلاحی ' مولانا محمد عنایت اللہ سبحانی ' مولانا نظام الدین اصلاحی ' مولانا نسیم ظہیر اصلاحی مولانا سلطان احمد اصلاحی ' پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی ' پروفیسر محمد اسلم اصلاحی ' ڈاکٹر الطاف احمد اعظمی ' ڈاکٹر ولی حسین جعفری اور ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی شامل تھے- میرا اپنا مقالہ ' مولانا امین احسن اصلاحی کی خدمت حدیث ' کے موضوع پر تھا- ۲۵ فروری کی شب سرائے میر اور اس کے اطراف کے دیہات کے مسلمانوں کے لیے ایک جلسہ عام منعقد کیا گیا جس میں بڑی تعداد میں عوام شریک ہوئے اور علماء کے خطابات کو بڑی عقیدت سے سنا-

مولانا اصلاحی ایک مرد حر تھے- انہیں غور و فکر کے بعد جب اپنی کسی رائے پر اذعان ہو جاتا تو پھر وہ کسی مصلحت کو خاطر میں نہ لاتے اور اپنی رائے کا برملا اظہار کر دیتے- وہ اس کے حق میں اتنے دلائل رکھتے کہ اگر ان کی رائے کی مخالفت ہوتی تو وہ خم ٹھونک کر میدان میں آجاتے اور دلائل کا انبار لگا دیتے- اپنی اس حریت فکر کی ان کو قیمت بھی ادا کرنی پڑی- جہاں انہوں نے اپنے قدردان اور دوست پیدا کیے وہیں اپنے مخالف بھی بنا لیے- سیمینار میں پیش کردہ مقالات سے بھی اندازہ ہوا کہ مدرسۃ الاصلاح کے اسٹیج پر مولانا کے حلیف اور حریف دونوں موجود ہیں- فی الجملہ مولانا کی خدمات کو سراہا گیا اور ان کے تفسیری کارنامے کی تحسین میں بخل سے کام نہ لیا گیا- لیکن چند مقالات سے اندازہ ہوا کہ ان کے لکھنے والوں کو مولانا کی رفعت شان ایک آنکھ نہیں بھاتی اور وہ ان کی قامت کو گھٹانے کی شعوری کوشش کر رہے ہیں- ایک فاضل دانشور نے تو یہ تحقیق پیش کر کے دن کو رات ثابت کرنے کی کوشش کی کہ مولانا اپنے مادر علمی کا مذاق اڑانے والے تھے ' انہوں نے مولانا فراہیؒ سے بغاوت اور ان کے فکر سے بے پروائی برتی- اس صورت حال پر مولانا احتشام الدین نے بڑا حکیمانہ تبصرہ کیا- انہوں نے اس مصور کا قصہ سنایا جس نے اپنی بنائی ہوئی ایک عمدہ تصویر ایک چوراہے میں اس تحریر کے ساتھ رکھ دی کہ اگر کسی شخص کو اس میں کہیں خامی نظر آئے تو وہ اس کی نشاندہی کے لئے خامی کی جگہ پر ایک نقطہ ڈال دے- مصور کو اپنے فن پر بڑا ناز تھا- شام کو خوشی خوشی تصویر اٹھانے گیا تو دیکھا کہ تصویر

نقطوں کی کثرت کے باعث سیاہ ہو چکی ہے۔ وہ نہایت افسردہ ہو کر گھر لوٹا تو والد نے افسردگی کی وجہ دریافت کی۔ جب مصور نے تمام صورت حال بتائی تو والد نے اسے مشورہ دیا کہ تصویر دوبارہ بناؤ اور یہ عبارت تحریر کرو کہ اگر کسی شخص کو اس میں کہیں خامی نظر آئے تو براہ کرم اس کو درست کردے۔ مصور نے ایسا ہی کیا اور شام کو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ تصویر پر اصلاح کا کوئی نشان تک نہ تھا۔ مولانا احتشام الدین نے فرمایا کہ مولانا اصلاحی کا کام غلطیوں سے مبرا نہیں ہو سکتا لیکن لوگوں کو چاہیے کہ وہ کچھ انصاف سے کام لیں اور مولانا کی تصویر کو بالکل سیاہ نہ کردیں۔ ایک مقالہ نگار جناب عبیداللہ فہد فلاحی نے سورہ یوسف کے قصہ میں کرداروں ' مقالات اور Situations کی تبدیلی کا ادیبانہ جائزہ لیا۔ اس نوع کا ایک مضمون کئی سال قبل ڈاکٹر مستنصر میر کے قلم سے معروف مجلہ "دی مسلم ورلڈ" میں چھپ چکا ہے۔ البتہ فاضل مقالہ نگار نے اپنا مضمون مولانا اصلاحی ' مولانا مودودی اور مولانا آزاد کی تفاسیر کے تقابل کے ساتھ پیش کیا۔

۲۶ فروری کی سہ پہر کو آخری اجلاس تھا۔ اس میں چند مقالات پڑھے گئے اور اس کے بعد مولانا ضیاء الدین اصلاحی کو اور مجھے سیمینار کے بارے میں اپنے تاثرات بیان کرنے کی دعوت دی گئی۔ مولانا نے فرمایا کہ مولانا اصلاحی قرآنیات کے میدان میں بیش قیمت خدمات انجام دے کے رخصت ہوئے اور دوسروں کو فکر و تحقیق کی راہ دکھادی۔ اب یہ ان کے معتقدین اور مدرسۃ الاصلاح کے فضلاء کا کام ہے کہ وہ اس سلسلہ کو آگے بڑھائیں اور قرآنی علوم کے نئے پہلوؤں پر تحقیق کا کام کریں۔ میں نے اپنے تاثرات میں سیمینار کے منتظمین کی طرف سے اپنی قدر افزائی کا شکریہ ادا کیا اور واضح کیا کہ میں اپنے کو ہرگز اس کا اہل نہیں پاتا۔ اگر دوسرے لوگ میرے اندر کوئی خوبی دیکھتے ہیں تو اسے مولانا اصلاحی کا فیض ہی سمجھنا چاہیے۔

کمال ہمنشیں در من اثر کرد   وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

سیمینار کو میں نے ہر لحاظ سے کامیاب قرار دیا۔ اس میں اتنی بڑی تعداد میں علماء و فضلاء کی شرکت ' مقالات کا علمی معیار اور تنوع ' ان پر مندوبین کی تنقید و تبصرہ اور تمام اجلاسوں میں بھرپور حاضری اس کی کامیابی کے بین شواہد تھے۔ میں نے کہا کہ اس سیمینار سے مولانا اصلاحی کی ذات اور ان کے کمالات کو اجاگر کرنے میں مدد ملی ہے تاہم مقالات میں مولانا کے فکر کا وسیع تناظر میں مطالعہ سامنے نہیں آیا حتی کہ تفسیر تدبر قرآن کے بارے میں جو مضامین پڑھے گئے ان میں بھی اس کے مجموعی فکر اور قرآن کے نظام کے بارے میں مولانا کی تحقیقات پر رائے زنی نہیں کی گئی۔ تمام مضامین میں خردہ گیری کا عنصر غالب رہا۔ مولانا کی تنقیص کے حامل مقالات پر

رائے دیتے ہوئے میں نے اپنے ذاتی تجربہ کا حوالہ دیا کہ مولانا سے رابطہ سے قبل میں نے مدرسۃ الاصلاح کا نام سنا تھا اور نہ مولانا حمید الدین فراہی کا یا ان کے فکر کا۔ اس کے برعکس آج میں مدرسہ میں نہ صرف یہ کہ موجود ہوں بلکہ یہاں کے فضلاء فکر فراہی کے لئے میری کچھ حقیر خدمات کی بدولت مجھے سر آنکھوں پر بٹھا رہے ہیں۔ یہ فرق کیسے پیدا ہو گیا؟ ظاہر ہے کہ مولانا اصلاحی کے ساتھ رابطہ کے بعد یہ ساری چیزیں میرے علم میں آئیں۔ مولانا اپنے استاد مولانا فراہی یا مدرسۃ الاصلاح کا جب ذکر کرتے تو اپنی یادداشتوں کے دفتر کھولتے جاتے اور گھنٹوں بے تکان گفتگو کرتے۔ فکر فراہی کو انہوں نے اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا تھا اور وہ اس کے مدھم نقوش کو واضح تر کرنے کے درپے رہتے۔ اسی کے نتیجہ میں آج فکر فراہی کا چرچا دنیا بھر میں ہونے لگا ہے۔ مولانا کے بارے میں یہ تجربہ صرف میرا نہیں بلکہ ان بیسیوں ساتھیوں کا ہے جو میرے ہم درس رہے اور انہیں مولانا سے استفادہ کا موقع ملا۔ یہ وہ امین احسن ہیں جن سے میں واقف ہوں۔ ایک اور امین احسن وہ ہیں جن کا انکشاف سرائے میر میں آکر ہوا ہے۔ یہاں کے تحقیق نگار بیان کرتے ہیں کہ ان کے امین احسن مدرسہ کی زندگی کا مذاق اڑاتے ' مولانا فراہی سے بیزاری کا اظہار کرتے اور ان کے فکر کو نقصان پہنچاتے۔ لیکن حیرت ہے کہ تقریباً چالیس برس مولانا کے قریب رہنے کے باوجود میں نے ان دوسرے امین احسن کی جھلک نہیں دیکھی جبکہ مقالہ نگار فرماتے ہیں کہ اس طرح کی باتیں خود مولانا نے ان کے کان میں پھونکیں۔ میں نے کہا کہ میں مقالہ نگار کی ثقاہت کے بارے میں کچھ نہیں کہتا اس کا جائزہ لوگ خود لیں۔ البتہ میں اتنی بات ضرور عرض کروں گا کہ ایسے خیالات کو قبول کرنے سے پہلے احناف کے اس موقف کو ضرور مد نظر رکھیں کہ وہ عموم البلوی کے معاملات میں خبر واحد کو بالکل خاطر میں نہیں لاتے۔ میرے اس تبصرہ کو بالعموم پسند اور مجمع کے دل کی آواز قرار دیا گیا۔

علمی حدود کے اندر رہ کر تنقید و تبصرہ کا حق استعمال کیا جائے تو اس سے افکار کے افہام و تفہیم میں مدد ملتی ہے اور ہر جگہ اس کی پذیرائی کی جاتی ہے۔ لیکن معاملہ جب شخصی ہو جائے اور مقالہ نگار حضرات سیمینار کے مقاصد ہی سے انحراف کر رہے ہوں تو ان کو اس کے لیے اسٹیج مہیا کرنے کی مصلحت میری سمجھ میں نہیں آئی۔ سیمینار کا اختتام مولانا اشفاق احمد اصلاحی سیکرٹری جنرل انجمن طلبائے قدیم کے کلمات تشکر کے ساتھ ہوا۔

سیمینار کی سہ روزہ مصروفیت کے بعد مدرسۃ الاصلاح کے بارے میں معلومات حاصل کیں جو

قارئین کے لیے یقیناً دلچسپی کا باعث ہوں گی- یہ مدرسہ ۱۳۲۷ھ کے موسم بہار میں قائم ہوا- اس کے بانی اس دیار کے ایک بزرگ مولانا محمد شفیع تھے- مدرسہ کا آغاز کرنے کے بعد انہوں نے مولانا شبلی نعمانیؒ سے درخواست کی کہ وہ مدرسہ کی نگرانی اپنی صوابدید کے مطابق فرمائیں- چنانچہ انہوں نے مدرسہ کے اغراض و مقاصد وضع کیے اور طریق کار کا ایک اجمالی خاکہ بنایا- اس کے بعد مولانا حمید الدین فراہیؒ سے کہا کہ وہ اس مدرسہ پر توجہ دیں- مولانا فراہی نے اس کا مکمل نظام وضع کیا اور جدید خطوط پر اس کا نصاب تعلیم تجویز کیا- وہ ۱۹۳۰ء میں اپنی وفات تک مدرسہ کے کام کی نگرانی فرماتے رہے-

مدرسہ کے مقاصد میں مسلمانوں کے لیے مذہبی و دنیاوی تعلیم کا انتظام کرنا ہے- اس میں مذہبی تعلیم کو مقدم رکھا جاتا ہے- پورے قرآن کی محققانہ تعلیم نصاب کا اہم حصہ ہے- مدرسہ کے پانچ سالہ حصہ پرائمری میں (جسے حصہ اردو کہا جاتا ہے) قرآن کی ناظرہ تعلیم دی جاتی ہے- اس کے علاوہ تین زبانیں--- اردو' فارسی اور ہندی--- سکھائی جاتی اور حساب' تاریخ' جغرافیہ اور دینیات کی تعلیم دی جاتی ہے- اس کے بعد سات سالہ عربی کورس ہے- اس میں پورے قرآن کا ترجمہ و تفسیر' حدیث میں موطا امام مالک' صحیح بخاری' صحیح مسلم اور سنن ترمذی' اصول حدیث میں شرح نخبۃ الفکر اور تاریخ فنون الحدیث' فقہ میں قدوری' ہدایہ اولین واخیرین' بدایۃ المجتہد اور اصول فقہ اربعہ' صرف و نحو میں اسباق النحو' قواعد اللغۃ العربیہ' المفصل اور البلاغۃ الواضحہ' عربی ادب میں دروس الادب' القراءۃ الرشیدہ' امثال آصف الحکیم' کلیلہ و دمنہ' جمہرۃ خطب العرب' مقدمہ ابن خلدون' دیوان حماسہ' جمہرۃ اشعار العرب' علم الفرائض میں سراجی و شریفیہ' اسرار دین میں حجۃ اللہ البالغہ' اور منطق و فلسفہ قدیم و جدید پڑھائے جاتے ہیں- اسی عرصہ میں طلبہ انگریزی کا بی- اے تک کا کورس بھی پڑھتے ہیں- امتحانات کے لئے خارجی ممتحن متعین کیے جاتے ہیں- اس طرح مدرسہ کا فارغ طالب علم دینی تعلیم رکھتے ہوئے ایک گریجوایٹ ہوتا ہے اور اس کی یہ ڈگری یونیورسٹیوں میں داخلہ کے لئے تسلیم کی جاتی ہے-

مدرسہ تقریباً بیس ایکڑ رقبہ پر قائم ہے- اس میں طلبہ کی تعداد ۱۳۰۰ کے لگ بھگ ہے- پچاس سے زیادہ اساتذہ کام کرتے ہیں- ساڑھے تین سو طلبہ ہوسٹلوں میں قیام کرتے ہیں- مستطیع طلبہ سے کھانے کا خرچ لیا جاتا ہے جبکہ نادار طلبہ کا تمام خرچ مدرسہ برداشت کرتا ہے- اس وقت کمپیوٹر کی تعلیم کے لئے ایک نئی عمارت کی تعمیر جاری ہے- مدرسہ کی حدود میں کھیلوں کے وسیع میدان موجود ہیں- میرے زمانہ قیام

میں دو ٹیموں کے درمیان کرکٹ میچ منعقد ہوا- مدرسہ میں پانی کی ٹینکی اور بجلی کی فراہمی کے لیے جنریٹر موجود ہے-

مدرسہ کا تذکرہ ادھورا رہے گا اگر اس کے طلبہ کی انجمن کا ذکر نہ کیا جائے- یہ انجمن بے حد فعال اور طلبہ کی ذہنی تہذیب اور فکری تربیت میں بھرپور کردار ادا کرتی ہے- اس کے سالانہ انتخابات ہوتے ہیں جن میں بزم خطابت اور دار المعلومات کے لیے عہدہ داران چنے جاتے ہیں- بزم خطابت میں ہر ہفتہ اردو' عربی اور انگریزی میں تقریروں کی مشق کرائی جاتی اور مقابلوں کا انعقاد کیا جاتا ہے- دار المعلومات میں طلبہ کی اپنی نہایت شاندار لائبریری قائم ہے جس میں مختلف رسائل و جرائد کی فائلیں محفوظ کرنے کا خاص اہتمام ہے- یہ شعبہ طلبہ کو ان کی ضرورت کی کتب جاری کرتا ہے- دوسرا شعبہ طلبہ کی تحریری صلاحیتوں کو پروان چڑھاتا ہے- اس میں تحقیقی مقالات' مضامین' تراجم اور ادبی نگارشات کے مواقع فراہم کیے جاتے ہیں- یہ شعبہ اہم علمی مباحث پر سیمینار بھی منعقد کرتا ہے- یہ تمام تخلیقات طلبہ کے ترجمان رسالہ 'مجلّہ' میں شائع ہوتی ہیں- مجلّہ کے چند شمارے دیکھنے کا اتفاق ہوا- ان میں طلبہ کی علمی و ادبی کاوشیں اتنے عمدہ معیار کی سامنے آئیں کہ گمان ہوتا ہے کہ یہ رسالہ طلبہ نہیں بلکہ نہایت کہنہ مشق مصنف و ادیب نکالتے ہیں- مدرسہ کے اساتذہ دار المعلومات اور بزم خطابت دونوں کے پروگراموں میں شریک ہوتے ہیں اور طلبہ کی پوری پوری حوصلہ افزائی کرتے ہیں- میری ایک نشست مدرسہ کے آخری سالوں کے طلبہ کے ساتھ بھی ہوئی- اس میں انہیں مولانا امین احسن' ان کے فکر' تفسیر تدبر قرآن اور ادارہ تدبر قرآن و حدیث کے بارے میں سوالات کرنے کا موقع فراہم کیا گیا- طلبہ کے سوالوں سے ذہانت ٹپکتی تھی-

لاہور سے بذریعہ ٹرین سرائے میر آنے اور جانے میں پانچ روز لگ جاتے ہیں- اس طرح مدرسہ پر رہنے کا موقع دس دن کے لیے ملا- سیمینار کے بعد مدرسہ کی عاملہ کے ارکان' اساتذہ اور طلبہ سے برابر ملاقاتیں رہیں اور تبادلہ خیالات کا موقع ملا- جامعہ الفلاح بلریا گنج کے اساتذہ نے بڑے خلوص سے دعوت دی کہ میں ان کے ادارہ کو بھی دیکھوں لیکن افسوس کہ ویزا فقط سرائے میر کے لیے تھا- لہٰذا معذرت کرنی پڑی- مدرسۃ الاصلاح کے لوگوں کا کہنا تھا کہ میری آمد ان کے شوق علم و تحقیق کو مہمیز دینے کا باعث ہوئی ہے- مولانا اصلاحی کے معمر ترین شاگرد مولانا عبد الرحمٰن ناصر فرمانے لگے کہ حاصل سیمینار تو آپ ہیں- ان باتوں کو سن کر مجھے حیرت ہوتی تھی کہ میری وہ کون سی خدمت ہے جو ان بزرگوں کے دلوں میں گھر کر گئی ہے- اور

انہوں نے میری ذات سے بڑی امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں۔

۵ مارچ کو واپسی سفر براستہ شاہ گنج ہوا۔ مدرسہ پر لوگوں نے بڑی محبت سے رخصت کیا۔ مولانا احتشام الدین بنفس نفیس شاہ گنج ریلوے اسٹیشن تک 'جو سرائے میر سے تیس کلومیٹر دور ہے' تشریف لائے۔ ان کے ہمراہ اساتذہ میں سے مولانا انیس احمد' مولانا سرفراز احمد ' مولانا اعجاز احمد' مولانا عتیق الرحمن اور آٹھ دیگر ساتھی تھے۔ جوں جوں ریل گاڑی کی آمد کا وقت قریب آرہا تھا جذباتی کیفیات چہروں پر نمایاں ہو رہی تھیں۔ عزیز طلبہ کی تمنا تھی کہ گاڑی لیٹ ہو اور یہ لمحات طویل تر ہو جائیں۔ دل کی گہرائیوں سے نکلنے والی دعاؤں کو اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ گاڑی اسٹیشن پر تو ٹھیک اپنے وقت پر پہنچی لیکن خلاف معمول نصف گھنٹہ وہیں ٹھہری رہی۔ رخصت ہوتے وقت اساتذہ کرام اور طلبہ سب میں محبت کی حدت محسوس کی جا سکتی تھی۔ اور مجلّہ کے ایڈیٹر ضیاء الرحمن اعظمی تو فی الواقع آبدیدہ ہو گئے۔ مولانا انیس احمد اصلاحی ' جنہوں نے بنارس میں میرا خیر مقدم کیا تھا' شاہ گنج سے گاڑی کے روانہ ہوتے وقت کچھ ایسی کیفیت میں تھے کہ 'دور تک دیکھتے' اور 'دیر تک سوچتے' نظر آئے۔ واپسی کے سفر میں میرے ساتھ عزیزی نازش احتشام تھے جنہوں نے حسب معمول خدمت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ دہلی پہنچ کر انہوں نے اپنے اصلاحی دوستوں سے ملوایا۔ وہ لوگ کسی نصیحت کے طالب ہوئے تو میں نے انہیں اپنے علم کی حفاظت کی تلقین کی اور ہفتہ میں ایک بار باہم مل کر قرآنی مطالعہ و مذاکرہ کا اہتمام کرنے کا مشورہ دیا۔ ۷ مارچ کو لاہور کا سفر شروع ہوا۔ تیس گھنٹے کے اعصاب شکن سفر کے بعد میں اس وقت لاہور پہنچا جب ۹ مارچ کی تاریخ شروع ہو چکی تھی۔ اب زندگی کے ان قیمتی یادگار دنوں کی یادیں باقی رہ گئی ہیں۔

تدبر حدیث

مولانا امین احسن اصلاحی

کتاب البیوع۔ صحیح بخاری

باب ۱۲۸۲: قول اللہ تعالی و اذا راو تجارۃ او لھوا ن انفضوا الیھا

باب 'اللہ تعالیٰ کا فرمانا کہ جب وہ کوئی تجارت یا کھیل تماشا کی بات دیکھیں تو ادھر ٹوٹ پڑتے ہیں۔

۱۹۳۱: حدثنا طلق بن غنام حدثنا زائدۃ عن حصین عن سالم قال حدثنی جابرؓ قال بینما نحن نصلی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقبلت من الشام عیر تحمل طعاما فالتفتوا الیھا حتی ما بقی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا اثنا عشر رجلا فنزلت و اذا راو تجارۃ او لھوا ن انفضوا الیھا۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ شام سے قافلہ غلہ لے کر آیا تو سب لوگ اس کی طرف ٹوٹ پڑے اور نبی ﷺ کے ساتھ صرف بارہ آدمی رہ گئے۔ اس پر آیت نازل ہوئی کہ جب وہ کوئی تجارت یا کھیل تماشا دیکھتے ہیں تو ادھر ٹوٹ پڑتے ہیں۔

وضاحت: اس حدیث میں سورہ جمعہ کی آیت ۱۱ کا شان نزول بیان ہوا ہے۔ شان نزول کے بارے میں میں یہ بتا چکا ہوں کہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بھی ان واقعات میں سے ہے جن کا حکم آیت کے اندر موجود ہے۔ یہ نہیں کہ بعینہٖ یہ واقعہ اس کے نزول کا سبب بنا ہے۔ سورہ جمعہ کے مطالعہ سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس آیت میں پچھلے ایک واقعہ کا حوالہ دیا ہے اور اس کو بنیاد بنا کر ایک تعلیم ہمیں دی گئی ہے۔

تجارت خود اپنی جگہ پر معاش کا ذریعہ' تمدن کی بنیاد اور قومی اور بین الاقوامی تعلقات کی اساس ہے۔ یہ بجائے خود تو باطل چیز نہیں ہے البتہ یہ ہے کہ یہ دنیا اور آخرت اور اللہ کی یاد سے غافل کرنے والی چیز ہے۔ لہذا اس تعلیم کی ضرورت ہے جو یہاں دی گئی ہے۔ بہت سے مذاہب میں کاروبار اور تجارت وغیرہ تقویٰ اور تقدس کے منافی ہیں۔ رہبانیت میں اور بدھ مذہب وغیرہ میں اسے بالکل آلائش سمجھا گیا ہے۔ ہمارے صوفی حضرات بھی لوگوں کے تین درجے قائم کرتے ہیں۔ ایک عوام کا دوسرا خواص کا اور تیسرا اخص الخواص کا ' تو اخص

الخواص کے لیے تجارت کو آلائش دنیا سمجھتے ہیں-اس تقسیم کی رو سے اخص الخواص میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ شامل نہیں ہو سکتے اس لئے کہ یہ سب تجارت اور کاروبار کرتے تھے-

اس آیت کو امام صاحب تجارت کے باب میں لائے ہیں اور یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ تجارت خود یہ منافی دین نہیں ہے اور یہ درست ہے-اس لئے کہ جو چیز معاش اور معیشت کی اساس ہو گی وہ ناجائز یا تقویٰ یا درجات کے منافی کیسے ہو سکتی ہے-ہاں اگر یہ غفلت کا باعث بنے تب اس پر اعتراض ہوتا ہے-

باب ۱۲۸۳ : مالم یبال من حیث کسب المال

باب ان لوگوں کے بارے میں جن کو کچھ معلوم نہیں کہ مال کہاں سے کمایا-

ہر مسلمان کو اپنی کمائی کا جائزہ لینا اس کے ایمان کا لازمی تقاضہ ہے-کمائی کرنا کوئی عیب نہیں ' کاملین بھی کرتے ہیں اور غیر کاملین بھی-لیکن یہ دیکھنا چاہئے کہ مال حلال راستے سے آیا ہے یا حرام راستے سے-

۱۹۳۲ :- حدثنا ادم حدثنا ابن ابی ذئب حدثنا سعید المقبری عن ابوھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یاتی علی الناس زمان لا یبالی المرء ما اخذ منہ أمن الحلال ام من الحرام-

ترجمہ : حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ آدمی کو اس کی پروا نہیں ہو گی کہ کہاں سے اس کو مال ملا ' حلال راستے سے یا حرام راستے سے-

وضاحت :- میرا خیال ہے اور اس پر تقریر کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ موجودہ دور اس بات کی بہترین شہادت دے رہا ہے-اس دور میں اس سے بحث نہیں ہے کہ کمائی حلال ہے یا حرام ہے-لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ مہنگائی کے اس دور میں اگر مال کی حلت و حرمت میں پڑے رہیں تو زندگی کیسے بسر ہو سکتی ہے حالانکہ دیکھتے ہیں کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو دیکھ بھال کر زندگی گزار رہے ہیں-

باب ۱۲۸۴ : التجارۃ فی البر و قولہ رجال لا تلہیہم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ و قال قتادہ کان القوم یبتاعون و یتجرون و لکنہم اذا نابہم حق من حقوق اللہ لم تلہیہم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ حتی یؤدوہ الی اللہ-

باب بَر میں تجارت کے بارے میں-اور اللہ تعالیٰ نے (سورہ نور میں) فرمایا ہے کہ وہ لوگ جن کو تجارت اور

خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی-قتادہ کہتے ہیں کہ لوگ آپس میں خرید و فروخت اور تجارت کرتے تھے لیکن جب اللہ کے حقوق کا معاملہ پیش آجاتا تھا تو ان کو تجارت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کر پاتی تھی-یہاں تک کہ وہ اللہ کا حق ادا کر دیتے تھے-

وضاحت :- بَر کا لفظ بحر کے مقابل میں ہے-یعنی یہ باب خشکی کی تجارت کے بارے میں ہے-آگے چند ابواب میں چونکہ بحر کی تجارت کا حکم آرہا ہے اس لیے بعض لوگوں نے یہاں لفظ بر ہی مراد لیا ہے-لیکن عام نسخوں میں جو روایت ہے وہاں لفظ بز ہے اور بز کے معنی ریشم کے ہیں یعنی ریشمی کپڑا-

باب میں ایک آیت اور حضرت قتادہ کا ایک قول نقل ہے-لیکن اس آیت کا اور اس قول کا کوئی تعلق نہ بز سے ہے نہ بر سے-البتہ اگر یہ کہیں کہ لفظ بِر (ب کی کسرہ کے ساتھ) ہے تو ایک تک بنتا ہے کیونکہ آیت کا اس سے تعلق بنتا ہے-

۱۹۳۳ : حدثنا ابو عاصم عن جریج قال اخبرنی عمرو بن دینار عن ابی المنھال قال کنت اتجر فی الصرف فسألت زید بن ارقمؓ فقال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم و حدثنی الفضل بن یعقوب حدثنا الحجاج بن محمد قال جریج اخبرنی عمرو بن دینار و عامر بن مصعب انہما سمعا ابا المنھال یقول سالت البرأ بن عازب و زید بن ارقم عن الصرف فقال کنا تاجرین علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسالنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الصرف قال ان کان یدا بیہ فلا بأس و ان کان نسأ فلا یصلح-

ترجمہ : ابو المنہال کہتے ہیں کہ میں صرافے کا کاروبار کرتا تھا تو میں نے زید بن ارقم سے بیع صرف کا حکم پوچھا تو انہوں نے حدیث بیان کی-

دوسری روایت کے مطابق ابو المنہال نے کہا کہ میں نے براء بن عازب اور زید بن ارقمؓ سے بیع صرف کے بارے میں پوچھا-انہوں نے کہا کہ ہم دونوں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ کاروبار کرتے تھے-ہم نے آپ سے اس کے بارے میں فتویٰ پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اگر معاملہ دست بدست ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن اگر ادھار ہو تو جائز نہیں ہے-

وضاحت : صرافہ سے مراد کرنسی کے مبادلے کا کاروبار ہے- اس زمانے میں دینار کے بدلے میں درہم اور درہم کے بدلے میں دینار کا لین دین ہوتا تھا- دینار سونے کا سکہ تھا اور سونے کو معیار کی حیثیت حاصل تھی- درہم چاندی کا ہوتا تھا اور اس کے بھاؤ بدلتے رہتے تھے- روایت کا مفہوم واضح ہے-

سوال یہ ہے کہ اس روایت کا باب سے کیا تعلق ہے- اگر لفظ بَر خشکی کے معنی میں ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا صرافے کا کاروبار صرف خشکی میں ہو سکتا ہے 'بحر' میں نہیں ہو سکتا- جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے وہ ایک الگ بات ہے اور اس کی حث ربا کے تحت آجائے گی کہ نقد اور نسیہ معاملہ میں کیا فرق ہے- معاملہ نقد کرنے میں کوئی اندیشہ نہیں ہوتا- جو وقت کا بھاؤ ہوگا اس پر آپ مبادلہ کریں گے- لیکن ادھار میں کل کو بھاؤ بدل سکتا ہے اور جو اضافہ ہوگا وہ ربا میں داخل ہے- تو یہ ایک فقہی مسئلہ الگ ہے جس کا اس باب سے کوئی تعلق نہیں-

جس طرح کی ذہانت شارحین نے دکھائی ہے اگر میں دکھاؤں تو کہہ سکتا ہوں کہ لفظ بَر ہے نہ بَز' بلکہ اگر ہو سکتا ہے تو بِر (ب کی کسرہ کے ساتھ) ہو سکتا ہے- بِر کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی مکمل وفاداری- اس کے تحت بیع صرف کو لا سکتے ہیں کہ یہ تقویٰ کے خلاف ہے- لیکن اس توجیہ کی نسبت میں اپنی طرف نہیں چاہتا- جب تک قطعی طور پر ثابت نہ ہو مجھے اطمینان نہیں ہوتا-

ایک نکتہ اور بھی یاد رکھئے- وہ یہ کہ روایات میں بڑا گھپلا اس وجہ سے ہو گیا ہے کہ لوگ مناولہ کے طریقے سے کتاب سے روایت کرتے ہیں- یعنی ایک شیخ کتاب کے ایک نسخے پر یہ اجازت دے دیتا ہے کہ آپ اس کی روایت کر سکتے ہیں- اب اس میں جو کچھ لکھا ہے کاتب نے لکھا ہے اور کاتب حضرات کے کمالات معلوم ہیں- کتابت کرتے ہوئے بعض دفعہ لفظ کو کیا سے کیا بنا دیتے ہیں- آپ اس نسخہ سے روایت کریں گے تو زبانی روایت سے مختلف ہو سکتی ہے- اگرچہ محدثین کو مناولہ پر بڑا ناز ہے لیکن میرے نزدیک یہ فتنے کا دروازہ ہے- کاتب حضرات نے جو کچھ گھسیٹا ہے اس کی روایت ہو رہی ہے-

اس روایت کے بارے میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ مشکل روایت ہے اور میں اس کو حل نہیں کر سکا- جو حل میں نے آپ کو بتایا ہے وہ میرے معیار کی بات نہیں ہے اس لئے میں اس کی ذمہ داری نہیں لیتا-

باب ۱۲۸۵ : الخروج فی التجارة و قول الله تعالی فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل الله -

باب ' تجارت کے لیے نکلنے کے بارے میں اور اللہ تعالیٰ کا فرمانا کہ زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو-

۱۹۳۴- حدثنا محمد بن سلام اخبرنا مخلد بن یزید اخبرنا ابن جریج قال اخبرنی عطاء عن عبید بن عمیر ان ابا موسی الاشعری استاذن علی عمر بن الخطاب فلم یوذن له و کانه کان مشغولا فرجع ابو موسیٰ فقرغ عمر فقال الم اسمع صوت عبدالله بن قیس ائذنواله قیل قد رجع فدعاه فقال کنا نومر بذالک فقال تاتینی بذالک بالبینه فانطلق الی مجالس الانصار فسالهم فقالوا لا یشهد لک علی هذا الا اصغرنا ابو سعید الخدری فذهب بابی سعید الخدری فقال عمر اخفی علی من امر رسول الله صلی الله علیه وسلم الهانی الصفق بالاسواق یعنی الخروج الی التجارة-

ترجمہ : عبید بن عمیر روایت کرتے ہیں کہ ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی تو ان کو اجازت نہیں ملی- حضرت عمرؓ اس وقت کام میں مشغول تھے- ابو موسیٰ اشعری لوٹ کر چل دیئے- حضرت عمرؓ جب فارغ ہوئے تو پوچھا کیا میں نے عبداللہ بن قیس کی آواز نہیں سنی تھی تو ان کو بلاؤ - کہا گیا کہ وہ تو واپس جا چکے ہیں- تو آپؓ نے ان کو بلوایا- ابو موسیٰ نے کہا کہ ہم کو نبی ﷺ کی طرف سے ایسا ہی حکم ہے- حضرت عمرؓ نے کہا آپ اس پر دلیل لائیں- تو ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ انصار کی طرف گئے اور ان سے اس کے بارے میں سوال کیا- انہوں نے کہا یہ تو تمہارے ساتھ وہ بیان کرے گا جو ہم میں سب سے کم سن ہے- آخر وہ ابو سعید خدری کو اپنے ساتھ لے گئے تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے شہادت دی- یہ سن کر حضرت عمر نے کہا کہ کیا رسول اللہ ﷺ کا حکم مجھ سے مخفی رہا کہ میری کاروباری مشغولیت نے اس سے مجھے محروم رکھا-

وضاحت : عبداللہ بن قیس حضرت ابو موسیٰ اشعری کا نام ہے لیکن ان کی کنیت نام پر غالب آگئی ہے- اس

روایت میں یہ تاثر ملتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ قرآن میں یہ حکم نازل ہو چکا ہے کہ و ان قیل لکم ارجعوا فارجعوا (اور اگر تم سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو واپس ہو جاؤ) واقعہ یہ ہے کہ یہ فرض کرنے کی نسبت کہ حضرت عمر کو یہ حکم نہیں معلوم تھا بدرجہا آسان یہ ہے کہ یہ مان لیا جائے کہ اس روایت میں سخت قسم کا ایسا جھول ہے کہ اس کی کوئی توجیہہ ممکن نہیں- میرا خیال یہ ہے کہ اس معاملہ میں کسی راوی سے بیان کرنے میں بات بہت مبہم ہو گئی ہے اور صحیح مطلب واضح نہیں ہوتا- بات اصل میں یہ ہو گی- اور ایک دوسری روایت جسکے الفاظ یوں ہیں کہ فمن استاذن احدکم ثلاثا فلم یوذن احدکم ثلاثا فلم یوذن له فلیرجع (جب تم میں سے کوئی تین مرتبہ اجازت مانگے اور اسے اجازت نہ دی جائے تو وہ واپس لوٹ جائے) بھی اس کی تائید کرتی ہے کہ ابو موسیٰ اشعری نے یہ کہا ہو گا کہ ہمیں یہ حکم تھا کہ تین مرتبہ اجازت مانگو اور تیسری بار بھی اجازت نہ ملے تو واپس لوٹ جاؤ- یہ بات ایسی ہو سکتی ہے کہ اس کے معاملہ میں حضرت عمر کو اشتباہ پیش آیا ہو- اس لیے کہ یہ چیز قرآن مجید میں نہیں ہے- قرآن مجید میں صرف اتنا ہے کہ اجازت لو اور نہ ملے تو واپس ہو جاؤ- یہ تین مرتبہ اجازت لینا قرآن کی تبیین ہے-

حضرت ابو موسیٰ کے اس قول کا حوالہ دینے پر حضرت عمر نے اس کی دلیل مانگی تو ابو سعید خدری نے اس کی گواہی دی-

یہ فقرہ راوی کا اضافہ ہے کہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت اس بناء پر نہیں ملی کہ حضرت عمرؓ کسی ضروری کام میں مشغول تھے-

مہاجرین کا زیادہ تر تعلق کاروبار سے تھا- حضرت ابو بکر اور حضرت عمر بھی کاروبار کیا کرتے تھے- حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ الھانی الصفق بالاسواق یعنی کیا بازار کے لین دین کے معاملات نے مجھے اس علم سے غافل رکھا یہ کہ کوئی اور بات ہو گی- یہ دونوں استفہامی انداز ہیں اور سوال دوسرے نہیں بلکہ اپنے آپ سے ہے- گویا ایک طرح کے تردد کا اظہار ہے-

اس روایت میں باب سے متعلق اتنا ہی ٹکڑا ہے کہ حضرت عمرؓ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ کی یہ بات مجھ سے کیسے مخفی رہی؟ کیا یہ ہوا کہ کاروبار کی مصروفیت میں اس کے سننے کا موقعہ نہیں ملا- اس ٹکڑے کی بناء پر امام صاحب نے باب قائم کیا ہے- اور یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ تجارت کے لیے نکلنا دین ہی سے متعلق ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تجارت کرتے تھے- یہاں تک کہ انھیں احساس ہوا کہ اس کی وجہ سے میں

کبھی کبھی بعض ضروری چیزوں سے محروم رہا- رہبانیت کی تقلید میں صوفیوں میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ کاروبار دنیا مایا کا جال ہے- اس میں جو لوگ پھنستے ہیں ان کو دین و ایمان سے واسطہ نہیں رہ جاتا- پاؤں توڑ کر گھر بیٹھنا یہ ہے دین داری- اس نقطہ نظر کی امام صاحب تردید کر رہے ہیں اور یہ درست ہے- اس لیے کہ جو شخص دنیا سے فرار اختیار کر کے دین سیکھنا چاہتا ہے اس کا حال یہ ہے کہ وہ امتحان ہال میں تو بیٹھنا نہیں چاہتا اور محض دھونس کے ذریعہ گھر بیٹھے ڈگری لینا چاہتا ہے- اس کے برعکس اسلام میں تصور یہ ہے کہ دنیا کے جو کام ہیں ان کو دین کے مطابق چلانا چاہئے اور یہی اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے-

اس روایت سے جو نہایت اہم سبق ملتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ہی شخص کی روایت پر اعتماد نہیں کیا اور صاف کہہ دیا کہ اس پر گواہ لانا پڑے گا- تو معلوم ہوا کہ خبر ایسی ہو کہ ماننے میں کوئی قباحت نہیں تو ایک ہی شخص کا کہہ دینا کافی ہے- لیکن خبر دین کے نقطہ نظر سے ذرا بھی اہمیت رکھتی ہو تو ایک شخص کیا دو تین کو گواہی دینی چاہئیے-

باب۱۳۸۶: التجارة فی البحر و قال مطرلا باس به و ما ذکره الله فی القرآن الا بحق ثم تلا و تری الفلک مواخر فیه وولتبتغوا من فضله والفلک السفن الواحد الجمع سواء و قال مجاهد تمخر السفن الریح ولا تمخر الریح من السفن الا الفلک العظام و قال اللیث حدثنی جعفر بن ربیعه عن عبدالرحمن بن هرمز عن ابی هریرة عن رسول الله صلی الله علیه وسلم انه ذکر رجلا من بنی اسرائیل خرج فی البحر و قضی حاجته و ساق الحدیث-

باب: سمندر میں تجارت کے بارے میں- اور مطر نے کہا ہے کہ بحر میں تجارت کے لیے سفر کرنا برا نہیں ہے- اور اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جو اس کا ذکر کیا ہے تو حق کیا ہے- پھر انھوں نے یہ آیت پڑھی کہ تم کشتیوں کو دیکھتے ہو پانی کو پھاڑتی چلتی ہیں تاکہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو- فلک یعنی کشتیاں- اس کا واحد اور جمع دونوں فلک ہی ہے- اور مجاہد نے کہا کہ کشتیاں ہوا کو پھاڑتی ہیں اور ہوا کو وہی کشتیاں پھاڑتی ہیں جو بڑی ہوں جیسے جہاز- اور ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر کیا- اس نے سمندر کا سفر کیا اور اپنی ضرورت پوری کی- انھوں نے آخیر حدیث تک بیان کیا-

وضاحت :- امام صاحب نے یہ باب جو باندھا ہے تو اس میں تعلیقات بھی ہیں- قرآن کی ایک آیت کا حوالہ

بھی ہے-ایک بالکل غیر معروف شخص مطر صاحب کا بیان بھی ہے اور معانی کی تحقیق بھی ہے-

سمندری تجارت کی مخالفت میں بعض لوگ یہ کہتے تھے کہ یہ بلاوجہ کا خطرہ (Risk) مول لینا ہے-
اس میں اپنے آپ کو مبتلا نہیں کرنا چاہیے- تو امام صاحب نے باب باندھ کر یہ واضح کیا کہ یہ خطرہ مول لینا ضروری ہے ورنہ مرغی کے ڈربے کے اندر بند قسم کے لوگ بن جاؤ گے- انہوں نے فتویٰ دیا کہ بحری تجارت میں کوئی حرج نہیں ہے- اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر قرآن میں ایک حق کے ساتھ کیا ہے- پھر انہوں نے یہ آیت تلاوت کی کہ تم کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ ہوا کو پھاڑتی ہوئی چلتی ہیں کہ تم اللہ کا رزق تلاش کرو- امام صاحب اس باب میں کوئی روایت نہیں لاتے-

باب ۱۲۸۷ : و اذا راو تجارة او لهوا ن انفضوا اليها و قوله جل ذكره رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله و قال قتادہ كان القوم يتجرون ولكنهم كانوا اذا نابهم حق من حقوق الله لم تلههم تجارة ولا بيع عن ذكر الله حتى يودوه الى الله-

باب 'اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ جب کوئی تجارت یا کھیل تماشا دیکھتے ہیں تو ادھر ٹوٹ پڑتے ہیں اور (سورہ نور میں) یہ فرمانا کہ وہ مرد جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی- اور قتادہ نے کہا کہ صحابہ تجارت کرتے تھے مگر جب اللہ تعالیٰ کا فرض آن پڑتا تو کوئی تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے ان کو غافل نہ کر پاتی- یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کا حق ادا کر دیتے-

۱۹۳۵ :- حدثنى محمد قال حدثنى محمد بن فضيل عن حصين عن سالم بن ابى الجعد عن جابر قال اقبلت عير و نحن نصلى مع النبى صلى الله عليه وسلم الجمعة فانقض الناس الا اثنى عشر رجلا فنزلت هذه الاية و اذا راو تجارة او لهوا ن انفضوا اليها و تركوك قائما-

ترجمہ : حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک قافلہ غلہ لے کر آیا اور اس وقت ہم نبی ﷺ کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھ رہے تھے- بارہ آدمیوں کے سوا سب لوگ قافلہ پر ٹوٹ پڑے- اس وقت یہ آیت اتری کہ جب کوئی بیوپار یا کھیل تماشا دیکھتے ہیں تو ادھر چل دیتے ہیں اور تجھے کھڑا چھوڑ دیتے ہیں-

وضاحت :- یہ باب اور حدیث دونوں اوپر گزر چکے ہیں- وہاں تفصیل دیکھی جائے- ان کا دوبارہ یہاں لکھا جانا بھی کسی کاتب کا کارنامہ معلوم ہوتا ہے- ورنہ امام صاحب کچھ نہ کچھ تنوع پیدا فرماتے-

باب ۱۲۸۸ :- قول الله تعالى انفقوا من طيبات ما كسبتم -

باب 'اللہ تعالیٰ کا فرمانا کہ اپنی کمائی سے اچھی پاکیزہ چیزیں خرچ کرو-

۱۹۳۶ :- حدثنا عثمان بن ابى شيبة حدثنا جرير عن منصور عن ابى وايل عن مسروق عن عائشه قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا انفقت المراة من طعام بيتها غير مفسدة كان لها اجرها بما انفقت و لزوجها بما كسب و للخازن مثل ذالك لا ينقص بعضهم اجر بعض شياء -

ترجمہ :- حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب عورت اپنے گھر کے کھانے میں سے کچھ خیرات کرے جو بگاڑ کی نیت سے نہ ہو تو اس کو خرچ کرنے کا اور خاوند کو کمائی کرنے کا ثواب ملے گا- اور گھر کے داروغے کو بھی اتنا ہی ثواب ملے گا- کسی کا ثواب دوسرے کے ثواب کو کم نہ کرے گا-

۱۹۳۷ :- حدثنى يحيى بن جعفر حدثنا عبدالرزاق عن معمر عن همام قال سمعت ابا هريره رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال اذا انفقت المرأة من كسب زوجها عن غير امره فلها نصف اجره-

ترجمہ :- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ جب کوئی عورت اپنے شوہر کی کمائی میں سے اس کی اجازت کے بغیر خرچ کرے تو اس کو شوہر کے اجر کا نصف اجر ملے گا-

وضاحت :- شوہر کے مال پر اس کی بیوی بھی تصرف کا حق رکھتی ہے اور شرفاء میں یہ حق تسلیم کیا جاتا ہے- اگر ایک بیوی شوہر کی خیر خواہ ہوتی ہے تو وہ اس کے مال کی محافظ بھی ہوتی ہے اور اسے بے جا خرچ کر کے برباد نہیں کرتی- ایسی بیوی کو جب شوہر کی طرف سے یہ حق ملا ہوا ہے اور وہ اس کے مال میں سے صدقہ و خیرات کرتی رہتی ہے تو میاں بیوی دونوں برابر کا اجر پاتے ہیں- لیکن اگر بیوی شوہر کی خیر خواہ نہ ہو اور اس کے

مال کو لٹانے اور اسے ضائع کرنے کے درپے رہتی ہو تو ظاہر ہے کہ اپنی بدبختی کے باعث وہ اجر سے محروم رہے گی۔ اسی طرح اگر اس نے صدقہ و خیرات کرنے کی اجازت نہیں لے رکھی ہے اور اس کے باوجود انفاق کرتی ہے تو اس کا اجر اس اجر کے نصف ہوگا جو شوہر کو روزی کما کر لانے کا ملتا ہے۔

باب ۱۲۸۹ :۔ من احب البسط فی الرزق۔

باب 'جو شخص رزق کی کشائش چاہے وہ کیا کرے۔

۱۹۳۸ :۔ حدثنا محمد بن ابی یعقوب الکرمانی حدثنا حسان حدثنا یونس حدثنا محمد عن انس بن مالک قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من سرہ ان یبسط لہ رزقہ او ینسالہ فی اثرہ فلیصل رحمہ۔

ترجمہ :انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے سنا کہ جس کو رزق کی کشائش یا عمر کی درازی بھلی لگے وہ اپنے ناتے والوں سے تعلق جوڑے رکھے۔

وضاحت :۔ جس طرح کام کا آغاز بسم اللہ کے ساتھ کرنے سے اللہ تعالیٰ کی مدد اس میں شامل ہو جاتی ہے اور آدمی شیطان کی دراندازی سے محفوظ ہو جاتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے احکام بجالانے کے بھی بعض ایسے اثرات ہوتے ہیں جو ظاہر نظر سے دیکھے نہیں جا سکتے۔ قرابت داروں سے تعلق جوڑے رکھنا اور اپنے مال میں سے ان کے حقوق ادا کرتے رہنا اللہ تعالیٰ کے احکام میں بہت بڑا حکم ہے۔ اس کی بجاآوری کے ثمرات میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی کے مال میں وہ برکت ظاہر ہوتی ہے جو ایک خسیس آدمی کے مال میں نہیں ہوتی۔ آدمی اپنی ضروریات کی قربانی دے کر دوسروں کے حقوق ادا کرتا ہے تو خدا کا غیر مرئی ہاتھ حرکت میں آتا ہے اور اسے وہاں سے روزی دیتا ہے جہاں سے اسے توقع بھی نہیں ہوتی۔ وہ کتنی آفتوں سے محفوظ کر دیا جاتا ہے جو اس کے مال اور عمر کو نقصان پہنچانے والی ہوتی ہیں۔ قرآن مجید میں سورہ الطلاق میں بیان ہوا ہے کہ جو شخص اپنی مطلقہ بیوی کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کر کے اسے رخصت کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام مصارف کی تلافی فرما دے گا۔ کیونکہ اس نے یہ کام اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجاآوری میں کیا۔

(ترتیب :سید اسحاق علی)

امین احسن اصلاحی

دنیا کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے میں صحیح رویہ

(موطا امام مالک کی کتاب الجامع کی روایات)

حدثنی عن مالک انہ بلغہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دخل المسجد فوجد فیہ ابا بکر الصدیق و عمر بن الخطاب فسألہما فقال اخرجنا الجوع' فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و انا اخرجنی الجوع فذھبوا الی ابی الھیثم بن التیہان الانصاری فامر لہم بشعیر عندہ یعمل و قام یذبح لہم شاۃ' فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکب عن ذات الدر فذبح لہم شاۃ و استعذب لہم ماء فعلق فی نخلۃ ثم أتوا بذالک الطعام فاکلوا منہ و شربوا من ذالک الماء' فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لتسئلن عن نعیم ھذا الیوم۔

ترجمہ :"مالک کہتے ہیں کہ یہ بات ان کو پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں داخل ہوئے تو انہوں نے ابو بکر صدیق اور عمر بن خطاب کو مسجد میں پایا۔ ان سے پوچھا (کہ کیسے آنا ہوا) تو انہوں نے کہا ہم بھوک کے ستائے ہوئے نکلے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے بھی بھوک ہی نے نکالا ہے۔ پھر وہ ابو الہیثم بن التیہان انصاری کے پاس گئے تو ان کے پاس جو کا آٹا تھا۔ حکم دیا گیا کہ اس کو بنایا جائے۔ وہ اٹھے کہ بکری ذبح کریں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دیکھو دودھ والی سے بچو۔ انہوں نے ایک بکری ذبح کی اور ٹھنڈا پانی لائے اور اس کا مشکیزہ کھجور کے تنے سے لٹکا دیا گیا۔ پھر کھانا لایا گیا اور اس میں سے سب نے کھایا اور پانی پیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آج جو نعمت نصیب ہوئی ہے اس کے متعلق قیامت میں تم سے پوچھا جائے گا"۔

وضاحت : یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ لیکن موطا میں یہ امام مالکؒ کے بلاغات میں سے ہے۔

اس روایت میں کچھ چیزیں قابل غور ہیں۔ ہمارے ہاں تو یہی تین ہستیاں امت کا سرمایہ ہیں۔

روایت کی رو سے ان تینوں کا حال یہ تھا کہ بھوک سے لاچار ہو کر گھر سے نکل پڑیں- بھوک تو بلاشبہ لگ سکتی ہے لیکن یہ کیا کہ کھانے کی طلب میں گھر سے نکل پڑیں- آخر مقصد کیا تھا؟ کیا یہ تھا کہ کوئی ہمارے چہرے کو دیکھ کر پوچھے کہ کیا بات ہے تو کہہ دیں کہ خیر نہیں ہے کچھ کھلاؤ- یا یہ کہ کوئی ہماری حالت کو دیکھ کر ہی ترس کھا جائے اور کچھ لا کر کھلا دے- یہ باتیں میں اپنے متعلق گمان نہیں کر سکتا چہ جائیکہ آنحضرت ﷺ کے متعلق گمان کروں- آنحضرت ﷺ کو بھوک لگتی رہی ہے لیکن اور کوئی واقعہ ایسا نہیں پایا کہ گھر سے اس مقصد کے ساتھ نکلے ہوں کہ کوئی کھانا کھلا دے گا-

علماء کا ایک گروہ کہتا ہے کہ ایک اور روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا ہے- اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو بھوک پیاس نہیں لگتی تھی جبکہ اس روایت میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجھے بھوک نے گھر سے باہر نکالا ہے-

دوسری بات یہ ہے کہ اگرچہ یہاں یہ روایت امام مالک کے بلاغات میں سے ہے لیکن بخاری و مسلم میں یہ حدیث موصول ہے اور اس کے راوی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں- حضرت ابو ہریرہ کا اسلام خیبر کے بعد کا ہے- فتح خیبر کے بعد مسلمانوں کا یہ حال نہیں رہا تھا کہ ایسی فاقہ کشی پیش آتی ہو- آنحضرت کے حصہ میں تو خیبر کی کافی جائداد آئی تھی- دوسرے مسلمان بھی اس زمانہ میں خوشحال ہو گئے تھے- لہٰذا روایت میں بیان کی گئی کیفیت امر واقعی کے خلاف ہے- اگر یہ بات ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے کسی سے سن کر پچھلے دور کا واقعہ بیان کیا ہے تو انہیں بتانا چاہیے تھا کہ فلاں سے یہ سنا ہے کیونکہ وہ خود واقعہ کے شاہد نہ تھے- ایک ایسے واقعہ کے متعلق جو اس زمانے میں پیش آیا جب وہ مسلمان بھی نہ تھے تو ان کا راوی ہونا ہی ثابت نہیں ہوتا-

اسی طرح کی ایک اور روایت میں بیان ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ابو بکر صدیق سے جب پوچھا کہ وہ کیسے آئے تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے سوچا آپ کی زیارت ہو جائے گی- یہ بات معقول معلوم ہوتی ہے-

تیسری بات یہ ہے کہ بالفرض اگر یہ تینوں اکابر امت بھوکے تھے تو اس وقت کے معاشرے میں یہ کس کے ہاں جا سکتے تھے؟ جس شخص کا نام لیا گیا ہے وہ میں نے صرف اس روایت ہی میں پڑھا ہے- کسی اور جگہ ان کا نام نہیں آتا- مورخین ان صاحب کے متعلق کہتے ہیں کہ کسی کو نہیں پایا جو ان کو جانتا ہو- لہٰذا ان کی یہ حیثیت نہیں معلوم ہوتی کہ آنحضرت ان کے گھر چلے جائیں اور انہیں کہیں کہ اگر کچھ ہے تو ہمیں بھی کھلا دو-

دوسری روایت میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاں جانے کا ذکر ہے تو ان کے پاس کھجور کا ایسا باغ نہیں تھا جیسا کہ یہاں بیان کیا گیا ہے- کھجور کا باغ حضرت ابو طلحہ کے پاس تھا- وہاں حضور جاتے تو وہ کھجور اور ٹھنڈا پانی پیش کرتے-

زرقانی نے روایت کے کئی طریقے نقل کیے ہیں اور ہر ایک میں الگ الگ بیان ہے اور یہ معین نہیں ہوتا کہ یہ کس کا قصہ ہے-

یہ اس روایت کی مشکلات ہیں- جہاں تک واقعہ کا تعلق ہے تو اس سے ملتا جلتا کوئی واقعہ پیش آیا ہوگا اور آنحضرت کا یہ فرمانا نہایت برمحل ہے کہ اس نعمت کے متعلق سوال ہوگا- کیونکہ اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی فضل ہوا کہ اپنے گھر سے بھوکے نکلے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اچھا خاصا گوشت کھلا دیا-

حدثنی عن مالک عن یحییٰ بن سعید ان عمر بن الخطاب کان یاکل خبزاً بسمن فدعا رجلا من اهل الذمة فجعل یاکل و یتبع باللقمة و ضر الصحفة' فقال له عمر کانک مقفر' فقال والله ما اکلت سمنا ولا لکت اکلا به منذ کذا و کذا- فقال له عمر لا آکل السمن حتی یحیا الناس من اول ما یحیون-

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ روغن کے ساتھ روٹی کھا رہے تھے کہ اہل ذمہ میں سے ایک آدمی کو (کھانے میں شریک کرنے کے لئے) بلا لیا- وہ رکابی میں سے وہ روغن کھانے لگا جو ادھر ادھر کونوں میں لگا لپٹا رہ گیا تھا تو حضرت عمر نے اس سے پوچھا کہ کیا تم عرصے سے فاقے میں رہے ہو- اس نے کہا کہ نہ میں نے روغن کھایا اور نہ فلاں زمانہ کے بعد سے کسی کو اس کے ساتھ روٹی کھاتے دیکھا- اس پر حضرت عمر نے فرمایا کہ اب میں روغن نہیں کھاؤں گا جب تک پہلی بارش کا چھینٹا نہ پڑ جائے-

وضاحت: معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت اس قحط کے زمانے سے متعلق ہے جو حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں پڑا تھا- "یحیا الناس من اول ما یحیون" کا یہ ترجمہ بھی کیا گیا ہے کہ جب تک لوگوں کی حالت پہلے جیسی نہ ہو جائے یعنی قحط کی حالت ختم نہ ہو جائے- بارش بھی قحط دور کرنے اور زندگی کی ہماہمی کا ذریعہ بنتی ہے- حضرت عمر اس ذمی کی حالت دیکھ کر بہت متاثر ہوئے اور قحط کے ختم ہونے تک روغن کھانا ترک کر دیا- یہ خلیفہ وقت نے مسلمانوں کے لئے مثال قائم کی ہے- اگر ملک کے سربراہ کے دل میں عوام کا واقعی درد ہو تو وہ اپنے اوپر اس طرح کی پابندیاں عائد کرتا ہے-

حدثنی عن مالک عن اسحق بن عبداللہ بن ابی طلحۃ عن انس بن مالک انہ قال : رأیت عمر بن الخطاب وھو یومئذ امیرالمومنین یطرح لہ صاع من تمر فیاکلہ حتی یاکل حشفھا-

ترجمہ : انس بن مالک سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور وہ اس وقت امیرالمومنین تھے کہ ان کے آگے ایک صاع بھر کھجور ڈال دیے جاتے اور وہ ایسے کھجور بھی کھاتے جو خراب ہوتے-

وضاحت : حشف اس کھجور کو کہتے ہیں جو سوکھ کر خراب ہو گئی ہو- مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر کے سامنے جب کھجوریں رکھی جاتیں تو وہ ایسی کھجور بھی کھا لیتے تھے جو قدرے خراب ہوتی- ان کا وہ حصہ جو کھانے کے قابل نہ ہوتا صرف اسی کو پھینکتے- ان کے سامنے کھجور پیش کرنے میں بھی رکھ رکھاؤ کا خیال نہیں ہوتا تھا کیونکہ انہوں نے بالکل سادہ عوامی انداز زندگی اپنار کھا تھا-

حدثنی عن مالک عن عبداللہ بن دینار عن عبداللہ بن عمر انہ قال : سئل عمر بن الخطاب عن الجراد- فقال وددت ان عندی قفعہ ناکل منہ-

ترجمہ : عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب سے ٹڈی کے متعلق ان کا فتویٰ پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میری خواہش تو یہ ہے کہ ایک ٹوکری میرے آگے رکھ دی جائے کہ ہم اس میں سے کھائیں-

وضاحت : حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق آتا ہے کہ وہ جنگل کے شہد اور ٹڈیوں پر گزارا کرتے تھے- یہ ضرورت پر منحصر ہے- اگر کوئی دوسری چیز میسر نہ ہو تو ٹڈی کھانا ٹھیک ہے- جس چیز کو حضرت یحییٰ نے کھایا اور حضرت عمرؓ نے اس کے کھانے کی خواہش ظاہر کی تو اس کا کھانا بہر حال جائز ہے- بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ ٹڈی جو ہمارے ہاں آتی ہے اس میں اور صحرائی ٹڈی میں بڑا فرق ہوتا ہے- لیکن یہ بات کچھ درست نہیں معلوم ہوتی- صرف چھوٹی بڑی کا فرق ہو سکتا ہے-

یہی وہ چیزیں ہیں جن کے پیش نظر حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا تھا کہ آپ نے اپنے بعد آنے والے تمام خلفاء کو شکست دے دی- اب کس کی طاقت ہے کہ آپ کی تقلید کر سکے گا-

حدثنی عن مالک عن محمد بن عمرو بن حلحلۃ عن حمید بن مالک بن خثیم انہ قال : کنت جالساً مع ابی ھریرۃ بارضہ بالعقیق فاتاہ قوم من اھل المدینۃ علی دواب فنزلوا عندہ - قال حمید فقال ابوھریرۃ اذھب الی امی فقل ان ابنک یقرئک السلام و یقول اطعمینا شیئا- قال فوضعت لہ ثلاثۃ اقراص فی صحفۃ و شیئا من زیت و ملح ثم و ضعتھا علیٰ رأسی و حملتھا الیھم-فلما و ضعتھا بین ایدیھم کبر ابوھریرۃ و قال الحمد للہ الذی شبعنا من الخبز بعدان لم لکن طعامنا الا الاسودین الماء و التمر فلم یصب من الطعام شیئا' فلما انصرفوا قال یا ابن اخی احسن الی غنمک و اسمح الرعام عنھا و اطب مراحھا و صل فی ناحیتھافانما من دواب الجنۃ والذی نفسی بیدہ لیوشک ان یاتی علی الناس زمان تکون الثلۃ من الغنم احب الی صاحبھامن دار مروان-

ترجمہ :-"حمید بن مالک کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوہریرہ کے پاس ان کے رقبے العقیق میں تھا- اہل مدینہ میں سے کچھ لوگ اپنی سواریوں پر آئے اور ان کے پاس اترے- حمید کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے مجھے کہا کہ تم میری امی کے پاس جاؤ اور کہو کہ بیٹا آپ کو سلام کہتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم کو کچھ کھلائیے- کہتے ہیں کہ والدہ نے تین ٹکیاں اور کچھ روغن اور نمک رکابی میں رکھا- پھر اس کو میرے سر پر رکھا اور میں ان کے پاس لے کر آیا- جب میں نے رکابی ان کے آگے رکھی تو حضرت ابوہریرہ نے اللہ اکبر کہا اور کہنے لگے کہ شکر ہے اس اللہ کا جس نے ہمیں روٹی کا کھانا کھلایا جبکہ پہلے ہماری غذا صرف دو سیاہ چیزیں تھیں یعنی پانی اور کھجور اور کھانے کی قسم کی کوئی چیز نہ ملتی تھی- جب لوگ چلے گئے تو ابوہریرہ نے کہا کہ اے میرے بھتیجے 'اپنی بکریوں کی اچھی طرح دیکھ بھال کر وان کی ناک صاف کیا کرو 'ان کے ڈیرے کی خوب صفائی رکھو اور اسی ڈیرے میں نماز پڑھ لیا کرو- کیونکہ یہ جنت کے جانوروں میں سے ہے- اور اس ذات کی قسم جس کی مٹھی میں میری جان ہے' قریب ہے کہ وہ زمانہ آئے کہ بکریوں کا ایک ریوڑ اس کے مالک کو مروان کے محل سے زیادہ مرغوب ہوگا"-

وضاحت :- یہ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اپنی اور انہی سے متعلق ہے- وہ اپنے ماضی کے احوال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک زمانہ تھا جب غربت کا یہ عالم تھا کہ کھانے کے لئے صرف کھجور اور

پانی میسر تھے۔ اب اللہ کا شکر ہے کہ کھانے کو روٹی اور روغن ملتا ہے۔ کھجور اور پانی کے لئے انہوں نے لفظ اسودین (دو سیاہ چیزیں) استعمال کیا ہے' جبکہ پانی سیاہ نہیں ہوتا۔ البتہ کھجور بالعموم سیاہی مائل ہوتی ہے۔ یہ لفظ کا استعمال علی سبیل التغلیب ہے اور عام بول چال کی بات ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مستقبل کے متعلق ایک پیشینگوئی کرتے ہیں کہ عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ جس آدمی کو اپنے ایمان کی سلامتی عزیز ہوگی اسے مروان بن الحکم (اموی خلیفہ) کے محل کا قرب عزیز نہیں ہوگا بلکہ وہ پسند کرے گا کہ اپنی بکریوں کا ریوڑ پہاڑوں میں جا کر چرائے اور اس طرح اپنی روزی کمائے۔ حضرت ابوہریرہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ بکریاں جنت کے جانور ہیں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ پیشینگوئی اور بکریوں کے جنت کے جانور ہونے کے امور کی بنیاد کیا ہے۔ محدثین کا کہنا یہ ہے کہ اس طرح کی تمام روایات میں کوئی صحابی بات اپنے بل بوتے پر نہیں کہہ سکتے۔ لازماً انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ایسا سنا ہوگا۔ لہذا اسی بنا پر ان کا بیان حدیث بن جاتا ہے۔ بعض جگہ تو محدثین کی یہ بات درست بیٹھتی ہے لیکن کہیں کہیں اس میں تردد ہوتا ہے۔ اس بات کو بطور اصول ماننا آسان نہیں۔

حدثنی عن مالک عن ابی نعیم وھب بن کیسان قال اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بطعام و معہ ربیبہ عمر بن سلمۃ' فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سم اللہ و کل مما یلیک۔

ترجمہ :۔ "وھب بن کیسان کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کھانا لایا گیا اور آپ کے ساتھ آپ کے ربیب عمر بن سلمہ بھی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کا نام لے کر کھاؤ اور جو تمہارے سامنے ہے اس میں سے کھاؤ"۔

وضاحت :۔ ربیب اس بچے کو کہتے ہیں جو بیوی کا اس کے سابق شوہر سے ہو۔ عمر بن سلمہ ام المومنین حضرت ام سلمہ کے پہلے شوہر ابو سلمہ کے بیٹے تھے اور نبی ﷺ ان کی پرورش کرتے تھے۔ جب وہ پلیٹ میں ادھر ادھر ہاتھ مار رہے ہوں گے تو آنحضرت نے ان کو کھانے کے آداب بتاتے ہوئے فرمایا کہ کھانا شروع کرتے وقت بسم اللہ پڑھا کرو اور جب بہت سے لوگ مل کر کھائیں تو ہر ایک کو اس بات کا لحاظ کرنا چاہئے کہ دوسرے بھی کھا رہے ہیں لہذا دست درازی نہیں کرنی چاہئے۔ اور پلیٹ کے اس حصہ میں سے کھانا چاہیے جو اپنے سامنے ہو۔

بسم اللہ سے مراد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا ہے۔ کچھ لوگوں نے یہ جو کہا ہے کہ پہلے لقمہ پر بسم اللہ اور دوسرے پر الرحمٰن الرحیم پڑھنا چاہئے اس کی حقیقت کچھ نہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پورا پڑھنا چاہیے۔ ہاں شروع میں اگر بھول جائے تو جب یاد آئے پڑھ لے یا پھر آخر میں پڑھ لے۔

حدثنی عن مالک عن یحییٰ بن سعید انہ قال : سمعت قاسم بن محمد یقول جاء رجل الی عبداللہ بن عباس' فقال لہ ان لی یتیما ولہ ابل افاشرب من لبن ابلہ' فقال لہ ابن عباس ان کنت تبغی ضالۃ ابلہ و تھناجر باھا و تلط حوضھا و تسقیھا یوم وردھا فاشرب غیر مضر بنسل' ولا ناھک فی الحلب۔

ترجمہ :۔ "یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ میں نے قاسم بن محمد سے سنا۔ وہ کہتے تھے کہ ایک شخص عبداللہ بن عباس کے پاس آیا اور ان سے پوچھا کہ میری نگرانی میں ایک یتیم ہے اور اس کے کچھ اونٹ ہیں۔ تو کیا میں اس کی اونٹنیوں کے دودھ میں سے کچھ پی سکتا ہوں تو ابن عباس نے اس سے کہا کہ اگر تم اس کے کھوئے ہوئے اونٹ کو تلاش کرتے ہو خارش زدہ اونٹوں کو تیل ملتے ہو' ان کے حوض کی لپائی کرتے ہو اور ان کی باری کے دن پانی پلاتے ہو تو بے شک پیو بشرطیکہ ان کے بچے کو نقصان نہ پہنچے اور سارا دودھ نچوڑنے والے نہ ہو"۔

وضاحت :۔ قرآن مجید میں یہ اجازت دی گئی ہے کہ حیثیت کے مطابق یتیم کے مال سے اس کا ولی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اسی اجازت کی روشنی میں یہ وضاحت کر دی ہے کہ اگر یہ تمام خدمات انجام دیتے ہو تو دودھ بھی لے سکتے ہو بشرطیکہ اونٹنی کے بچوں کو اس سے محروم کرنے والے نہ ہو۔

حدثنی عن مالک عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ انہ کان لا یؤتی ابد الطعام ولاشراب حتی الدواء فیطعمہ او یشربہ الاقال: الحمد للہ الذی ھدانا و اطعمنا و سقانا و نعمنا اللہ اکبر: اللھم الفتنا بنعمتک بکل شر فاصبحنا منھا و امسینا بکل خیر فنسئالک تمامھا و شکرھا لا خیر الا خیرک' ولا الہ غیرک الہ الصالحین' و رب العالمین الحمد للہ ولا الہ الا اللہ ما شاء اللہ ولا قوۃ الا باللہ : اللھم بارک لنا فیما رزقتنا و قنا عذاب النار۔

ترجمہ :۔ "ھشام اپنے باپ عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب ان کے سامنے کوئی چیز کھانے یا پینے کی لائی جاتی' یہاں تک کہ دوا بھی' تو وہ کھاتے یا پیتے تو یہ دعا ضرور کرتے : اللہ کا شکر ہے جس نے ہم کو ہدایت دی اور

ہم کو کھلایا اور پلایا اور نعمت بخشی-اے اللہ تو بہت بڑا ہے-اے اللہ تیری نعمت نے ہم کو پایا ہماری تمام برائیوں کے باوجود اور ہم صبح و شام اس کے خیر سے متمتع ہونے لگے-اے اللہ ہم تجھ سے اس نعمت کا اتمام اور اس کے شکر کی توفیق مانگتے ہیں- نہیں ہے کوئی خیر تیرے سوا اور کوئی معبود نہیں تیرے سوا-اے نیکوں کے اللہ اور اے عالم کے خدا- شکر ہے اللہ کے لئے-اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں-جو اللہ چاہے وہی ہوتا ہے-اے اللہ تیرے سوا کوئی قوت نہیں-اے اللہ تو نے ہمیں جو رزق دیا ہے اس میں برکت دے اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا"-

وضاحت :-روایت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ عروہ نے یہ دعا آنحضرت ﷺ سے سیکھی-نہ ہی خود انہوں نے اس کا کوئی حوالہ دیا ہے-یہ ان کی اپنی دعا معلوم ہوتی ہے-الفاظ کی ترتیب سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کی دعاؤں سے اس کو کوئی مناسبت نہیں-اس میں آنحضرت ﷺ کی دعاؤں والی چستی نہیں پائی جاتی-بہر حال وہ یہ دعا مانگا کرتے تھے-

قال يحيى سئل مالك: هل تاكل المراة مع غير ذي محرم او مع غلامها فقال مالك: ليس بذالك بأس اذا كان ذالك على وجه ما يعرف للمراة ان تأكل معه من الرجال- قال و قد تأكل المراة مع زوجها' و مع غيره ممن توأكله' او مع اخيها على مثل ذالك' و يكره للمراة ان تخلو مع الرجل ليس بينه و بينها حرمة-

ترجمہ :-"یحییٰ کہتے ہیں کہ امام مالک سے فتویٰ پوچھا گیا کہ عورت کسی غیر محرم کے ساتھ یا اپنے غلام کے ساتھ کچھ کھا پی سکتی ہے ؟امام مالک نے کہا کہ اس میں کوئی قباحت نہیں بشرطیکہ وہ اس طریقے سے کھائے جو عورت کے لئے معروف ہے-انہوں نے کہا کہ عورت کبھی کبھی اپنے شوہر کے ساتھ اور کسی دوسرے کے ساتھ جس کے ساتھ اس کا کھانا پینا ہوتا ہے یا اپنے بھائی کے ساتھ کھانا کھا لیتی ہے لیکن یہ مکروہ ہے کہ عورت کسی ایسے آدمی کے ساتھ تنہا ہو جس کی اس کے ساتھ حرمت نہیں ہے"-

وضاحت :-یہ امام مالک کا فتویٰ ہے کہ نامانوس غیر محرم آدمی کے ساتھ تنہا بیٹھ کر عورت کے کھانے پینے میں حرج ہے-لیکن اعزہ اقربا میں سے اور دوستوں میں سے بھی جو اعتماد کے لوگ ہوتے ہیں اگر کھانے میں شریک ہو جاتے ہیں تو ان کی موجودگی میں کھانے میں کوئی حرج نہیں-یہ نہ ہو تو معاشرتی زندگی متاثر ہوتی

ہے-

قرآن مجید کی روشنی میں پردے کے احکام میں اپنے رسالہ میں بیان کر چکا ہوں-مزید تفصیل کے لئے اس رسالہ کا مطالعہ کریں-

ما جاء في اكل اللحم

گوشت کھانے کے بارے میں

حدثني عن مالك عن يحيى بن سعيد ان عمر بن الخطاب ادرك جابر بن عبدالله و معه حمال لحم' فقال ما هذا؟ فقال يا اميرالمومنين قرمنا الى اللحم فاشتريت بدرهم لحما' فقال عمر امايريد احدكم ان يطوى بطنه عن جاره او ابن عمه' ابن تذهب عنكم هذه الآية ؟ اذهبتم طيباتكم في حياتكم الدنيا و استمتعتم بها-

ترجمہ :-"یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی ملاقات جابر بن عبداللہؓ سے ہو گئی جبکہ وہ گوشت کی ایک گٹھڑی اٹھائے ہوئے تھے-حضرت عمر نے پوچھا یہ کیا ہے ؟انہوں نے کہا امیر المومنین !گوشت کھانے کو بہت جی چاہا تو ایک درہم کا گوشت خریدا ہے-حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کے اندر یہ ولولہ پیدا نہیں ہوتا کہ وہ اپنے پڑوسی کی خاطر یا اپنے بھائیوں کی خاطر اپنے پیٹ کو لپیٹے رکھے-آخر تم لوگ اس آیت کو کیوں بھول گئے ہو"تم نے اپنی تمام نعمتیں دنیا میں ختم کر لیں اور ان سے فائدہ اٹھا چکے"-

وضاحت :-حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ تھا کہ اگر تمہارے ہاں گوشت پکے گا تو اس کی خوشبو پڑوسیوں کو بھی پہنچے گی' ان کے بچوں کو بھی پہنچے گی' ان کا دل چاہے گا کہ ان کے ہاں بھی گوشت پکے-وہ حسرت کریں گے تو اس سے بہتر یہ ہے کہ اپنے پڑوسی اور اپنے بھائیوں کے خیال سے اپنے پیٹ کو لپیٹے رکھے-لیکن اگر آپ کا بھائی ہی پڑوسی ہو' اس کے مالی حالات اچھے نہ ہوں اور آپ کی حیثیت ایسی ہو کہ آپ روز گوشت کھا سکیں تو اپنے بچوں کو تو آپ محروم نہیں رکھ سکتے-اس صورت میں اس حدیث پر عمل اس طرح کریں کہ کھانے میں سے اپنے پڑوسی کو تحفہ بھجوائیں-

آیت کا مطلب بھی یہ ہے کہ دنیا کی زندگی میں یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ جتنی بھی نعمتیں ہیں وہ سب کی سب یہیں ختم کر لی جائیں اور آخرت کے لئے کوئی سرمایہ محفوظ نہ کیا جائے۔

حدثنی عن مالک عن یحیی بن سعید ان عمر بن الخطاب قال ایاکم واللحم فانه له ضراوة کضراوة الخمر۔

ترجمہ :۔"یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ گوشت سے بچو کیونکہ اس کا چسکا شراب کا سا چسکا ہوتا ہے"۔

وضاحت :۔ مطلب یہ ہے کہ گوشت کثرت سے نہیں کھانا چاہیے اور دستر خوان پر اس کا زیادہ اہتمام نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ اس کا چسکا لگ جائے تو پھر دوسری چیزوں کی طرف رغبت نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیئے کہ بہت سے لوگ ہوتے ہیں جن کو مہینے کے مہینے گوشت کھانا نصیب نہیں ہوتا۔ لہذا یہ اسلام کے منافی ہے کہ آپ تو روز بھنا ہوا گوشت کھائیں اور صرف ایک ڈش نہیں بلکہ کئی کئی۔ اور دوسرے لوگ اس سے محروم رہیں۔ کتنے لوگ گوشت کھاتے ہیں لیکن ان کے گوشت کھانے کی خواہش ختم نہیں ہوتی۔ یہ بات سیدنا عمرؓ کی ہے اور واقعتاً ان کی باتیں ایسی ہیں کہ ہر مسلمان کو سمجھنی بھی چاہئیں اور ماننی بھی چاہئیں۔ ان سے زیادہ جرأت کے ساتھ اسلام کی خدمت کرنے کا موقع کسی کو مشکل ہی ملا ہے۔ وہ مسلمانوں کی ذہنی و اخلاقی تربیت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔

ما جاء فی لبس الخاتم

انگوٹھی پہننے کے بارے میں روایات

حدثنی عن مالک عن عبداللہ بن دینار عن عبداللہ بن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یلبس خاتما من ذھب ثم قام رسول اللہ ﷺ فنبذہٗ و قال لا البسه ابداً قال فنبذ الناس بخواتیمھم۔

ترجمہ :۔"عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سونے کی انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔ پھر رسول اللہ ﷺ اٹھے اور اس کو پھینک دیا اور کہا کہ میں اب اس کو کبھی نہیں پہنوں گا۔ عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ اس پر سب لوگوں نے اپنی انگوٹھیاں پھینک دیں"۔

وضاحت :۔ پھینک دینے کا یہ مطلب نہیں کہ جوہڑ میں پھینک دی بلکہ یہ ہے کہ اتار دی۔ ہو سکتا ہے کہ اپنی کسی اہلیہ کو دے دی یا کسی اور کو۔ اسی طرح دوسرے لوگوں نے بھی اپنی سونے کی انگوٹھیاں اتار دیں۔ یا تو اپنی عورتوں کو دے دیں یا گلا کر کسی اور مصرف میں استعمال کر لیں۔

حدثنی عن مالک عن صدقة بن یسار انه قال سئلت سعید بن المسیب من لبس الخاتم قال البسه و اخبرالناس انی افتیتک بذالک۔

ترجمہ :۔"صدقہ بن یسار کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن مسیب سے انگوٹھی پہننے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ اس کو پہنو اور لوگوں کو بتاؤ کہ میں اس کا فتویٰ دیتا ہوں"۔

وضاحت :۔ اس سے صورت حال کا اندازہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انگوٹھی اتاری تو لوگوں نے بڑھ کر ہاتھ مارا اور کہا کہ انگوٹھی پہننا حرام ہے۔ حالانکہ سونے کی انگوٹھی مردوں کے لئے پہننا حرام تھی، چاندی کی حرام نہیں تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ سعید بن مسیب کو یہ بات معلوم تھی تو انہوں نے سونے کے سوا دھات کی انگوٹھی کا فتویٰ دے دیا کہ پہنو۔ ظاہر ہے کہ وہ سونے کی انگوٹھی کا فتویٰ نہیں دے سکتے تھے۔ راوی نے موقع کا ذکر نہیں کیا۔ موقع متعین نہ ہونے کی وجہ سے حدیث کی بڑی بڑی مشکلیں پیدا ہو گئیں اور دین میں اتنے بڑے بڑے فتنے پیدا ہو گئے کہ الامان والحفیظ۔

(ترتیب: سعید احمد)

عبدالخالق فاروقی

تصانیف مولانا اصلاحیؒ

مولانا امین احسن اصلاحی عہد حاضر کی ایک نابغہ روزگار شخصیت تھے۔ وہ بر صغیر پاک و ہند کے عظیم مفسر قرآن علامہ حمید الدین فراہیؒ کے شاگرد تھے۔ پورے پانچ برس ان کی خدمت میں رہ کر ان سے قرآن فہمی کے اصول سیکھے اور پھر انہی اصولوں کی روشنی میں قرآن مجید میں تفکر و تدبر کو انہوں نے اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا اور منتہائے مقصود بنایا۔ اپنے نتائج فکر کو مختلف کتابوں میں مرتب کیا۔ انہوں نے قرآنیات، حدیث، فقہ، فلسفہ، تصوف اور سیاست ہر موضوع پر لکھا ہے۔ اور جو کچھ لکھا ہے قرآن کو اساس اور محور بنا کر لکھا ہے۔ ان کی تمام تصانیف میں خالص قرآنی فکر کا نور جلوہ گر ہے۔ مولانا کی تصانیف فہم دین اور فہم قرآن کے لئے مرشد کامل کا حکم رکھتی ہیں۔ اس کا اندازہ ہر وہ شخص کر سکتا ہے جو ان کی تصانیف کا مطالعہ کرتا ہے۔ ان کی اہم تصانیف کا ایک مجمل سا تعارف آئندہ سطور میں پیش خدمت ہے۔

۱۔ حقیقت نماز •

اس کتاب میں مولانا اصلاحی نے اچھوتے اور منفرد انداز میں نماز کی حقیقت پر روشنی ڈالی ہے۔ کتاب اختصار اور جامعیت کا نادر نمونہ ہے۔ مولانا نے لکھا ہے کہ شجر اسلام کا پھل نماز ہے اور مومن کی پہچان اسی سے ہے۔ نماز تمام شریعت کا سرچشمہ ہے اور پورے دین کے بقاو قیام کا انحصار اسی کو قائم کرنے ہی پر ہے۔ نماز ہی ایمان و معرفت کا پہلا ثمرہ اور دین کا نقطہ آغاز ہے۔ اس طرح ایمان کے بعد پہلے نماز وجود میں آتی ہے پھر وہ تمام شریعت کو وجود میں لاتی ہے۔

مولانا کے نزدیک نماز ہی حقیقی زندگی کا بھی سرچشمہ ہے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ اصل زندگی دل کی زندگی ہے اور یہ صحیح فہم و بصیرت سے پیدا ہوتی ہے جس کا منبع اللہ کی آیات ہیں۔ نماز کا اصلی مقصد اللہ کی آیات پر تدبر و تفکر ہے۔ تمام عبادات میں نماز اسی مقصد کے لئے مختص ہے۔ نماز مشکلات اور پریشانیوں میں اللہ تعالی سے استعانت کا ذریعہ ہے۔ یہ اللہ تعالی پر ایمان مضبوط کرتی اور بندے کا تعلق خدا سے استوار کرتی ہے۔ نماز ذکر الہی ہے اور اللہ کا ذکر دلوں کو طمانیت دیتا ہے۔ کائنات کی تمام چیزیں اللہ تعالی کی تسبیح کر رہی

ہیں اور اسی کے آگے سربسجود ہیں۔ اس طرح کائنات کا یہ توازن اور ہم آہنگی زبان حال سے اشرف المخلوقات ۔۔۔ انسان ۔۔۔ کو دعوت دے رہی ہے کہ وہ بھی اس نغمہ ریزی میں اس کا شریک بزم ہو جائے۔ اس شرکت کا عملی اظہار نماز ہے۔

۶۷ صفحات کی اس کتاب کے آخر میں مولانا نے بتایا ہے کہ نماز قوموں کے لئے عدالت ہے اور قوموں کے عزل و نصب میں اصلی عامل در حقیقت نماز ہی ہے۔ مولانا کی اس کتاب کے مطالعہ سے نماز طبیعت پر بوجھ کے بجائے عمیق روحانی لذت اور حلاوت ایمانی کا ذریعہ محسوس ہوتی ہے۔

۲۔ حقیقت تقویٰ

یہ کتاب بھی حقیقت نماز کی طرح مختصر ہے لیکن اپنے دامن میں ایک جہان معانی آباد کئے ہوئے ہے۔ تقویٰ کا لفظ اگرچہ خواص و عوام سب میں مستعمل ہے لیکن مولانا کی یہ کتاب پڑھ کر یوں تاثر قائم ہوتا ہے کہ عوام تو در کنار خواص بھی اس کے حقیقی مفہوم سے ناآشنا ہیں۔

اس کتاب کے تین ابواب ہیں۔

۱۔ تقویٰ کی حقیقت قرآن کی روشنی میں

۲۔ تقویٰ کی حقیقت احادیث کی روشنی میں

۳۔ تقویٰ کی تعلیم کا طریقہ

پہلے باب میں مولانا نے لکھا ہے کہ تقویٰ دراصل شریعت، وحی و تنزیل اور دعوت نبوت کا منتہائے مقصود اور غایت ہے۔ بندے کا اپنے رب کی حدود و قیود پر قائم رہنا اور اس کی نافرمانی سے بچنا تقویٰ ہے لیکن آج یہ لفظ اپنے حقیقی مفہوم کی شاہراہ سے ہٹا دیا گیا ہے۔ آج جن لوگوں کے تقویٰ کی دھوم ہے ان کی عملی زندگیاں طاغوت کی خدمت میں گزر رہی ہیں۔ ترک دنیا اور خلوت نشینی کو تقویٰ کے لوازمات میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ تقویٰ کی تربیت اور حصول کے لئے کسی خانقاہی سلسلہ سے وابستگی کو بھی ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح ارباب تقویٰ کی یہ پہچان بھی بتائی جاتی ہے کہ وہ صاحب تاثیر اور صاحب تسخیر ہوتے ہیں۔ ان کی نگاہوں سے لوگوں کی دنیا اور قلوب بدل جاتے ہیں۔ حالانکہ ان تمام تر مفہومات کا حضرات انبیاء اور صحابہ کی زندگیوں میں کوئی سراغ نہیں ملتا۔ ان کی زندگیاں دعوت و تبلیغ، کشمکش، مزاحمت، صبر و استقامت اور مسلسل جدو جہد سے عبارت ہیں۔ اور یہی اصل تقویٰ ہے۔ قرآن کی رو سے دشمن کے بارہ میں حدود الہی پر قائم رہنا

بھی تقویٰ ہے۔ مسلمانوں کی خیر خواہی، اللہ کی شکر گزاری، مسلمانوں میں اتحاد و تالیف قلب پیدا کرنے کی کوشش اور اللہ اور اس کے رسول کے مخالفین سے بیزاری بھی تقویٰ کی باتوں میں سے ہے۔ سخت سے سخت ہیجان انگیز حالات میں اللہ اور رسول کے فیصلہ پر اظہار اطمینان، صحیح عقائد اور اعمال صالحہ اختیار کرنا، فقر و فاقہ، بیماری اور حالت جنگ میں صبر و استقامت، عہد شکنی اور خیانت سے بچنا، عورتوں سے حسن معاشرت، ایمان بالآخرۃ، نہی عن المنکر، مسابقت فی الخیرات، تنگی اور فراخی میں حقوق العباد کی ادائیگی، دشمنوں کے لئے بھی رحم و عفو و درگزر، قانون الٰہی کی پیروی اور فساد فی الارض سے اجتناب، تہجد گزاری اور اوقات سحر میں استغفار، اپنے مالوں میں سے سائلوں اور محروموں کا حق نکالنا، یہ سب باتیں تقویٰ میں شامل ہیں۔ اور یہیں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تقویٰ کے جو لوازم آج سمجھ لئے گئے ہیں قرآن میں بیان کردہ تقویٰ سے اس کو ادنیٰ نسبت بھی نہیں ہے۔

کتاب کے دوسرے باب میں تقویٰ کا مفہوم احادیث کی روشنی میں مزید واضح کیا گیا ہے۔

۷۵ صفحات کی اس کتاب کا تیسرا حصہ تقویٰ کی تعلیم کے طریقہ کی بحث پر مشتمل ہے۔اس میں مولانا نے قرآنی دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ صرف انبیاء کا دیا ہوا طریقہ ہی انسان کے اندر صحیح قسم کا تقویٰ پیدا کر سکتا ہے۔انبیاء انسان کے تصور خدا اور تصور آخرت کو صحیح کرتے ہیں اور پھر اس کو بہترین نظام حیات (شریعت) دیتے ہیں۔اس تقویٰ سے انسان ہر قسم کے حالات میں صرف خدا اور آخرت کے احتساب اور جوابدہی کا احساس رکھتے ہوئے جادہ مستقیم پر گامزن رہتا ہے۔

۳۔ قرآن میں پردے کے احکام

قیام پاکستان کا واحد مقصد اسلامی نظام کا نفاذ تھا لیکن پاکستان قائم ہونے کے کچھ ہی عرصہ بعد اخبارات میں پردے کی بحث بڑے زور و شور سے اٹھی اور بعض ذمہ دار لیڈروں نے پبلک جلسوں میں یہ دعویٰ کیا کہ پردے کا حکم قرآن میں کہیں نہیں آیا ہے۔یہ محض ملا کی ایجاد ہے۔یہ رسالہ لیڈروں کی اس ہرزہ سرائی کی تردید میں لکھا گیا ہے۔

اس رسالہ میں مولانا نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید میں دو طرح کے پردے کے احکام بیان ہوئے ہیں۔ایک اس صورت کے لئے جب عورت کو گھر سے باہر نکلنا پڑے اور اجنبیوں سے سابقہ پڑنے کا اندیشہ ہو۔ ایسی صورت میں عورت کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ اپنے اوپر بڑی چادر لے لے اور اس کا گھونگھٹ

چہرہ پر لٹکا لے۔ دوسرا اس صورت کے لئے جب گھر کے اندر خود اس کے پاس کے شوہر کے اعزہ و اقارب اور متعلقین و ملازمین آئیں۔اس صورت میں حکم یہ ہے کہ اہل تعلق میں سے جو داخل ہو وہ اجازت لے کر داخل ہو اور اہل خانہ کو سلام کہے۔اپنی نگاہ نیچی رکھے اور اپنی شرم کی جگہوں کے معاملے میں پوری احتیاط برتے۔گھر کی عورتیں بھی اپنی نگاہ نیچی رکھیں، سمٹ سمٹا کر رہیں۔زینت کی چیزوں میں سے اگر کسی چیز کا اظہار ہو تو مجبورانہ ہو۔بکل مار لیا کریں۔زمین پر پاؤں مار کر نہ چلیں۔ پہلی صورت سے متعلق حکم سورہ احزاب میں ہے اور دوسری صورت سے متعلق احکام سورہ نور میں دیئے گئے ہیں۔

پردے کے اصولی احکام واضح کرنے کے بعد مولانا نے اس کی چند استثنائی صورتیں بھی بیان کی ہیں۔ مثلاً کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے اس کو ایک نظر دیکھ لینا۔ پولیس یا جج کو کسی عورت کی شناخت مطلوب ہو تو اس کو دیکھ لینا۔ طبی ضرورت کے تحت طبیب یا ڈاکٹر کا اجنبی عورت کو دیکھ لینا یا چھو لینا۔ ناگہانی حالات مثلاً مکان کو آگ لگ جانے کی صورت میں یا ڈوبتی ہوئی عورت کی جان بچانا، سفر حج اور جنگی حالات وغیرہ میں بعض مستثنیات اور رخصتوں کا اسلامی شریعت میں لحاظ رکھا گیا ہے لیکن ان رخصتوں اور مستثنیات کو اصل قرار دے کر پردہ سے متعلق بنیادی اصولوں کو ڈھا دینے کے جو درپے ہیں وہ لوگ دین کے معاملہ میں شریعت سے بالکل ہی جاہل ہیں۔

۴۔ اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام

اسلام نے جہاں دیگر مسائل میں ضروری ہدایات قرآن و سنت میں مہیا کر دی ہیں وہیں خاندان، معاشرہ، اجتماعی زندگی اور سیاست میں عورت کا مقام، حیثیت اور کردار قرآن مجید میں اصولی ہدایات کے ساتھ اور احادیث میں ضروری قولی اور عملی تشریحات کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود اس زمانہ میں یہ مسئلہ ایسا الجھا دیا گیا ہے کہ اصل حقیقت شور و غوغا میں دب گئی ہے۔ سیاسی لیڈر اپنی لیڈری چمکانے کی خاطر اسلام اسلام کا وظیفہ پڑھتے ہیں اور تمام مسائل و مصائب کا واحد حل اسلامی اصولوں ہی کو قرار دیتے ہیں لیکن عملاً اسلامی تہذیب اور اسلامی معاشرت کے جو آثار انگریزی دور حکومت کی دستبرد سے بچ نکلے تھے ان کو بھی مٹانے کے درپے ہیں۔ان کی خواہش اور کوشش ہے کہ قوم کی بیٹیاں اپنی تہذیب و روایات اور معاشرت کو خیر باد کہہ کر مغربی متبرجات کے رنگ میں رنگ جائیں۔ مولانا اصلاحی نے لیڈروں کے اصل عزائم کو بے نقاب کرنے کے لئے ایک کتاب "پاکستانی عورت دوراہے پر" کے عنوان سے لکھی تھی۔اب یہی کتاب

نظر ثانی کے بعد "اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام" کے نام سے شائع ہوئی ہے۔

اس کتاب میں عورتوں کی حیثیت کے بارے میں مولانا نے ان تمام دلائل پر سیر حاصل حث کی ہے جو مغربی مفکرین نے پیش کیے اور جن کی بازگشت ہمارے قائدین اور مغربیت زدہ دانشوروں کی تقریروں اور تحریروں میں سنائی دیتی ہے۔ مولانا نے محکم دلائل و شواہد سے ان کا باطل ہونا ثابت کیا۔ انہوں نے دکھایا کہ عورت کی آزادی کی جو رو مغرب میں بہہ رہی ہے اس کے اثرات روس اور امریکہ کی معاشرت پر کس طرح مترتب ہو رہے ہیں اور وہاں کے اہل بصیرت کے خیالات اس بارے میں کیا ہیں۔ اس کے بعد مولانا نے عورتوں کے حقوق و فرائض کا وہ نقشہ پیش کیا ہے جو قرآن و حدیث نے دیا ہے۔

۵- اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل

پاکستان ایک مثالی اسلامی ریاست کے نمونہ کے طور پر معرض وجود میں آیا تھا۔ بعض حکومتوں نے یہاں بعض اسلامی قوانین کے نفاذ کی کوششیں بھی کی ہیں۔ بعض ادارے اس بات کا جائزہ لیتے رہے ہیں کہ رائج الوقت قوانین اسلامی شریعت سے ہم آہنگ ہیں یا نہیں۔ موجودہ حکومت نے بھی اسلامی شریعت کے نفاذ کا اعلان اور عزم کیا ہے تاہم نفاذ شریعت میں فقہی اختلافات ایسے بھاری پتھر ہیں جو علماء اور قانون سازوں کو بیشتر مسائل میں کوئی متفقہ لائحہ عمل اختیار نہیں کرنے دیتے۔ اس اہم مسئلہ پر مولانا امین احسن اصلاحی کی کتاب "اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل" وقت کی ضرورت کو بطریق احسن پورا کرتی ہے اور بلاشبہ اپنے موضوع پر یہ واحد کتاب ہے جو عملی کام کے لئے مثبت تجاویز پیش کرتی ہے۔ اس میں مسئلہ کے تمام پہلوؤں کا مواجہہ کیا گیا ہے۔ کتاب کے دیباچہ میں مولانا رقمطراز ہیں :-

"مسلمانوں کے درمیان جو فقہی اختلافات ہیں اگرچہ وہ بالکل سرسری اور سطحی ہیں لیکن امتداد زمانہ سے ان کی جڑیں اتنی گہری اتر چکی ہیں کہ اب ان کا اکھاڑنا آسان نہیں رہا۔ اور ان کے اکھاڑے بغیر نہ صحیح نہج پر اسلامی قانون کی تدوین ہی ممکن ہے اور نہ اس کے موثر نفاذ ہی کی توقع کی جا سکتی ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ مسلمان من حیث الجماعت اس اصول پر مجتمع ہوں کہ ان کے قانون کے پرکھنے کے لئے اصل کسوٹی قرآن و سنت ہیں اور ان پر یہ واجب ہے کہ وہ ان کسوٹیوں کو اپنے دوسرے تمام تعصبات و تعلقات سے بالکل دست بردار ہو کر تسلیم کریں"۔

کتاب میں صدر اول کے مسلمانوں کے طرز عمل پر روشنی ڈالی گئی ہے اور امت کے طرز عمل میں

اس تبدیلی کی نشاندہی کی گئی ہے جو فقہ و حدیث کے مرتب ہونے کے بعد پیدا ہوئی۔ مولانا نے بتایا ہے کہ صدر اول کے بابرکت دور کے بعد اہل فقہ اور اہل حدیث کے درمیان مستقل نزاع شروع ہو گئی ہے۔ اہل فقہ نے اصول تخریج میں غلو کیا اور اہل حدیث نے تخریج کو نظر انداز کر کے روایات میں بے جا تشدد سے کام لیا۔ نتیجۃً امت میں تقلید جامد نے جنم لیا اور اجتہادی صلاحیتیں مفلوج ہو کر رہ گئیں۔ مولانا کی تحقیق میں مختلف مذاہب فقہ کے تخریج مسائل اور قیاس کے اصول میں کوئی اختلاف نہیں لہذا تعصب سے بالاتر رہ کر اسلامی قانون پر اتفاق کر لینا ناممکن نہیں۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا ہے کہ دینی مدارس میں مخصوص فقہ پڑھانے کے بجائے پوری فقہ اسلامی کی تعلیم دی جانی چاہئے تاکہ لوگ فقہاء کے دلائل سے واقف ہوں ان کے اندر دلائل کا موازنہ کرنے کی صلاحیت پیدا ہو اور وہ اس حکم کو اختیار کر سکیں جو اقرب الی الکتاب والسنۃ ہو۔

مولانا نے فقہی معاملات سے متعلق ایک صحیح اسلامی حکومت کے طرز عمل کو بھی واضح کیا اور بتایا ہے کہ یہ حکومت کسی معین امام کی تقلید کے اصول پر قائم نہیں ہوتی بلکہ اس کی اساس براہ راست کتاب و سنت اور اجتہاد و شوریٰ پر ہوتی ہے۔ اسلامی حکومت اپنے شہریوں کے ان جزوی امور سے کوئی تعرض نہیں کرتی جن کا تعلق انفرادی زندگی سے ہوتا ہے۔ اس کا تعلق صرف ظاہری اعمال و عقائد تک محدود ہوتا ہے جو اجتماعی، معاشرتی اور سیاسی زندگی سے لگاؤ رکھنے والے ہوتے ہیں۔ اس طرح ہر شہری اس بات میں بالکل آزاد ہوتا ہے کہ وہ اپنی انفرادی زندگی کے دائرہ میں جس فقہی و کلامی مسلک کو ترجیح دیتا ہو اس کو اختیار کرلے لیکن اجتماعی مسائل میں اسے حکومت کے قانون اور فیصلے کا پابند ہونا پڑتا ہے۔ وہ اپنے فقہی مسلک کی بنا پر ان سے آزاد نہیں ہو سکتا۔

۶- اسلامی قانون کی تدوین

یہ حقیقت مسلم الثبوت ہے کہ قیام پاکستان کا اصلی محرک اس آزاد خطہ سرزمین میں اسلامی قانون کے نفاذ کا مطالبہ ہی تھا۔ اس کی عملی ذمہ داری ارباب اختیار پر عائد ہوتی ہے تاہم اس راہ میں اسلامی قانون سے متعلق بعض قدیم اور جدید ذہنوں میں جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں ان کو دور کرنے کے لئے مولانا امین احسن اصلاحی نے "اسلامی قانون کی تدوین" نامی کتاب لکھی۔ بلاشبہ اس کتاب نے اسلامی قانون اور اس کی تدوین سے متعلق شبہات رفع کرنے میں نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔

۱۱۶ صفحات کی اس کتاب میں مولانا نے اسلامی قانون، اس کا تاریخی پس منظر و ارتقاء، اسلامی

قانون کے ماخذ اور اسلامی قانون کی تنفیذ کے ذرائع و مقتضیات پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ مولانا کے نزدیک اسلامی قانون کے مآخذ پانچ ہیں۔ کتاب اللہ ' سنت رسول اللہ ﷺ ' اجماع ' اجتہاد ' معروف اور مصلحت۔ ان مآخذ کی طرف رجوع الاقدم فالاقدم کے اصول پر ہوگا۔ ہر کس و ناکس اجتہاد کی اہلیت اور استحقاق نہیں رکھتا۔ اجتہاد معروف اور مصلحت سے اسلامی اصولوں کے مطابق اخذ و استنباط کے لئے علم شریعت میں گہری واقفیت ' زندگی کے تغیر پذیر حالات پر ناقدانہ اور عالمانہ بصیرت اور اخلاق و تقویٰ کی صفات سے متصف ہونا ناگزیر شرط ہے۔ مولانا نے اسلامی قانون کی تدوین کی پچھلی کوششوں کا تذکرہ کیا ہے اور ان کی ناکامی کے اسباب پر روشنی ڈالی ہے۔ انہوں نے چار ایسے قطعی اور قابل عمل اصول بتلائے ہیں جن کو اپنا کر اسلامی قانون کی تدوین ممکن ہے۔ وہ اصول یہ ہیں۔

الف :۔ اہل سنت والجماعت کے تمام ائمہ مجتہدین کے فتووں کو مشترکہ اسلامی میراث قرار دے کر تعصب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے یکساں فائدہ اٹھانا۔

ب :۔ کتاب و سنت کی تعبیر میں سلف صالحین کی تعبیرات اور اصطلاحات کی پیروی کرنا۔

ج :۔ جن معاملات میں پچھلے ائمہ کے اجتہادات موجود نہیں ہیں ان میں مختلف ممالک کے علماء اور فقہاء کے فتوے جمع کر کے دلائل کی روشنی میں ان فتووں کو اختیار کرنا جو اقرب الی الکتاب والسنۃ ہوں۔

د :۔ عرف اور مصلحت پر مبنی احکام میں حالات اور مصالح کے تغیر کے لحاظ سے تبدیلیاں کرنا ' اسلامی قانون کے نفاذ کے لئے ضروری تیاری کے ضمن میں نظم تعلیم کی اصلاح اور نظام تعلیم کو اسلامی اصولوں پر ڈھالنا ہوگا۔ مغربی اثرات کو جڑ پیڑ سے اکھاڑنا ہوگا اور اسلامی قانون کے خلاف ذہنوں میں جو شبہات پائے جاتے ہیں ان کا ازالہ کرنا ہوگا۔

۷۔ اسلامی ریاست

قیام پاکستان کے بعد نئی اسلامی ریاست وجود میں آئی تو مولانا اصلاحی نے اسلامی ریاست کے تصور اور اس سے وابستہ فرائض اور ذمہ داریوں سے حکمرانوں اور قوم کو آگاہ کرنے کے لئے یہ کتاب لکھی۔ اس کتاب کے کچھ اجزاء پہلے الگ الگ شائع ہوئے۔ بعد ازاں ان کو کتاب کی شکل دے دی گئی۔ جس میں مولانا نے حسب ذیل عنوانات پر بحث کی ہے :۔

(۱) اسلام اور اسلامی معاشرہ۔

(۲) اسلامی ریاست اور اس کے بنیادی اصول۔ اس باب میں حاکمیت الٰہی ' اطاعت رسول ' اطاعت اولی الامر ' خلیفہ ' اجتہاد اور شوریٰ وغیرہ کے موضوعات پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

(۳) اسلامی ریاست کیا نہیں ہے؟ اس باب میں مولانا نے واضح کیا ہے کہ اسلامی ریاست مقصد نہیں ذریعہ ہے ' قومی و وطنی ریاست نہیں بلکہ اصولی ریاست ہے۔ یہ جبر پر نہیں بلکہ اختیار پر مبنی ہوتی ہے۔ یہ ریاست کی معروف اقسام -- تھیوکریسی ' بادشاہت ' ارسٹوکریسی ' ڈیموکریسی ' ڈکٹیٹر شپ کی تعریف میں نہیں آتی بلکہ ریاست کی ایک جداگانہ قسم ہے۔

(۴) شہریت کے حقوق و فرائض۔

(۵) عورتوں کے اجتماعی حقوق و فرائض

(۶) غیر مسلموں کے حقوق

(۷) قانون سازی اور تنفیذ (Legislature & Executive)

(۸) قضاء (Judiciary)

(۹) کارکنوں کی ذمہ داریاں اور ان کے اوصاف

(۱۰) اطاعت کے شرائط و حدود

(۱۱) حق رائے دہی ' طریق انتخاب ' استصواب وغیرہ۔

(۱۲) تعلقات خارجہ کے اصول

مباحث کے مندرجہ بالا عنوانات ہی سے واضح ہوتا ہے کہ مولانا اصلاحی نے دیگر تالیفات کی طرح اس موضوع کو بھی کتنا مکمل اور رفعت فکر سے ہمکنار کیا ہے۔ نیز اس سے ان کی وسعت مطالعہ اور سیاسی بصیرت کا بھی پتہ چلتا ہے۔

یہ کتاب کئی برس تک پاکستان کی یونیورسٹیوں میں سیاسیات کے اساتذہ اور طلباء کی تحقیق کا اہم ماخذ رہی ہے لیکن افسوس اور حیرت کا مقام ہے کہ عرصہ سے اس کی اشاعت بند ہے۔ اشاعتی ادارہ نے نامعلوم کس مصلحت اور نقصان کے پیش نظر اس اہم کتاب کو زیور طباعت سے ابھی تک آراستہ نہیں کیا ہے۔

۸۔ دعوت دین اور اس کا طریق کار

دسویں صدی عیسوی کو بعض ارباب فکر و بصیرت نے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی صدی قرار دیا ہے۔ بلاشبہ اس صدی میں دنیا کے مختلف خطوں سے بڑی پرجوش اسلامی تحریکیں اٹھی ہیں۔ مسلمانوں کے قدیم اور جدید تعلیم یافتہ طبقوں میں دعوت دین کا جوش اور تحقیق اسلام کا ذوق ابھرا لیکن یہ ایک امر واقعہ ہے کہ ابھی

تک مسلمانوں کی غالب اکثریت میں دین کی دعوت و تبلیغ 'اس کے طریقوں ذرائع کے استعمال وغیرہ کا مفہوم ادھورا اور ناقص ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی کا ملت اسلامیہ پر یہ ایک عظیم احسان ہے کہ انہوں نے قرآن میں غواصی کر کے جس طرح دین کے دیگر موضوعات کو قطعی اور واضح انداز میں پیش کیا ہے اسی طرح دعوت و تبلیغ کے موضوع کو بھی اس کے مکمل مفہومات 'مقتضیات و مضمرات اور مراحل سمیت اپنی کتاب دعوت دین میں نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور ہر بات کی بنیاد قرآن مجید کے محکم دلائل اور صحیح احادیث کی وضاحت پر رکھی ہے۔ اس طرح یہ کتاب قرآن فہمی اور سیرۃ فہمی کا بھی ذریعہ بن گئی ہے۔اس کی اہمیت' عظمت اور مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب اسلامی تحریکوں کے کارکنوں کے لئے لازمی تربیتی نصاب میں شامل ہے۔ مولانا کے حامی اور اختلاف رائے رکھنے والے سب اس کی تعریف میں رطب اللسان ہیں اور اس کی اثر انگیزی اور علمی وقار کے معترف۔

اس کتاب میں مولانا نے مسلمانوں میں مروج طریقہ تبلیغ کی علمی اور عملی خامیوں کی نشاندہی کر کے دعوت و تبلیغ کی صحیح شرائط واضح کی ہیں۔ ختم نبوت کے تناظر میں مسلمانوں کا فرض منصبی -- شہادت حق اور دعوت و تبلیغ -- اجاگر کیا گیا ہے۔ انبیاء کے طریقہء تبلیغ 'انداز تخاطب' طریقہ خطاب' طرز استدلال اور طریق تربیت کو ایسے دلنشین اور حسین پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے کہ آدمی مطالعہ کے دوران اس میں کھو سا جاتا ہے۔ عجیب قسم کی روحانی لذت و لطافت کا احساس ہوتا ہے۔ پھر بتایا گیا ہے کہ داعیان حق کو طریق نبوت اور منہاج نبوت پر کس طرح دعوت کا فریضہ سرانجام دینا ہے۔ ذرائع دعوت کے تمام لوازمات کی وضاحت کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ تمدن کی ترقیوں سے کس طرح استفادہ کرنا اور خلاف وقار اور مخالف مقصد طریقوں سے کس طرح احتراز کرنا ہے۔ دعوت حق کے مخالفین اور موافقین کی اقسام اور صفات قرآن کی روشنی میں بیان کی گئی ہیں۔ آخر میں بتایا گیا ہے کہ دعوت حق بالعموم تین مراحل --- دعوت عام' ہجرت اور جنگ سے گزرتی ہوئی اپنی منزل مقصود پر پہنچتی ہے۔ ان تمام باتوں میں استدلال کا مواد قرآن مجید اور انبیاء کی زندگیوں سے بہم پہنچایا گیا ہے۔

الغرض یہ کتاب اپنے موضوع پر اس صدی کی عظیم ترین تصانیف میں سے ایک ہے۔ اگرچہ اس موضوع پر دیگر نامور مصنفین نے بہت کچھ لکھا ہے لیکن مولانا کا سا انداز' اسلوب' ترتیب' عمق گیرائی اور گہرائی ان میں نہیں ہے۔

(جاری ہے)

[illegible]

نظریہ ارتقاء (۲)

قرآن مجید کی رائے

قرآن مجید سے سائنسدانوں کی اس رائے کی تائید نکلتی ہے کہ زندگی کا آغاز مٹی' پانی اور کیچڑ سے ہوا۔ لیکن اس کا کہنا ہے کہ ایسا محض اتفاق سے نہیں ہوا بلکہ یہ ایک حکیم و مدبر کے ارادہ سے ہوا۔ قرآن نے زندگی کے ارتقا کے دو مرحلے گنائے ہیں۔ پہلا مرحلہ زندگی کا آغاز اور زندگی کو درجہ بدرجہ ترقی دے کر اس کو تمام قوتوں اور صلاحیتوں سے آراستہ کر کے اس کا تسویہ کرنا' دوسرا مرحلہ اس کے اندر روح پھونکنا' اس کو خیر و شر کا شعور ودیعت کرنا اور اختیار و ارادہ کی آزادی عطا کرنا ہے تاکہ وہ زمین میں خدا کا خلیفہ بن سکے۔ اور پھر پانی کی ایک حقیر بوند کو رحم مادر کے صدف میں پرورش کر کے گوہر آبدار بنا کر نکالنا اور اس کو اعلیٰ صلاحیتیں ودیعت کرنا ہے۔ قرآن نے تخلیق کے ان مراحل سے یہ استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالی نے ہر چیز خوب بنائی ہے اور یہ صرف خالق کا کارنامہ نہیں بلکہ احسن الخالقین کا کام ہے۔ قرآن میں یہ مضمون جگہ جگہ بیان ہوا ہے۔

زندگی کا آغاز

سورہ دہر میں فرمایا:

هل اتی علی الانسان حین من الدهر لم یکن شیئاً مذکورا (دہر ۷۶: ۱)

کیا گزرا ہے انسان پر کوئی وقت زمانہ میں ایسا جب وہ قابل ذکر چیز نہیں تھا

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقت انسان پر ایسا بھی گزرا ہے جب اس کا وجود کوئی قابل ذکر چیز نہیں تھا بلکہ 'جیسا کہ آگے آئے گا وہ پانی' کیچڑ اور مٹی کے اندر رینگنے والی مخلوق تھا۔

سورہ سجدہ میں فرمایا:

الذی احسن کل شی خلقه و بدأ خلق الانسان من طین - (سجدہ ۳۲: ۷)

جس نے جو چیز بنائی خوب بنائی ہے اور اس نے انسان کی خلقت کا آغاز مٹی سے کیا۔

یعنی خلقت کا آغاز از خود نہیں ہوا یا کسی اندھی' بہری طاقت نے اس کا آغاز نہیں کیا بلکہ احسن

احسن الخالقین نے اس کا آغاز کیا۔اس آیت میں اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ انسان جو اپنی قابلیت پر اتنا نازاں ہے اس کا آغاز خدائے حکیم و خبیر نے کسی قیمتی جواہر سے نہیں کیا بلکہ مٹی سے کیا۔

سورہ مومنون میں فرمایا :

ولقد خلقنا الانسان من سللة من طین۔(مومنون ۲۳ : ۱۲)

ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا۔

اسی طرح سورہ حجر میں بیان کیا ہے :

و اذ قال ربك للملئكة انى خالق بشرا من صلصال من حما مسنون ۔(حجر ۱۵ : ۲۸)

اور یاد کرو جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں سڑے گارے کی کھنکھاتی ہوئی مٹی سے ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں۔

سورہ مومن میں فرمایا :

هو الذى خلقكم من تراب (مومن ۴۰ : ۶۷)

وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا مٹی سے

تسویہ اور نفخ روح

اوپر کی تمام آیات کا مدعا یہ بتاتا ہے کہ اصل وجود میں آنے سے قبل انسان ابتدا میں پانی کیچڑ اور مٹی کے اندر رینگنے والی ایک حقیر مخلوق تھا۔اس حقیر مخلوق کو قدرت نے مختلف مراحل سے گزارا اور اس کی صلاحیتوں کو تربیت دے کر ایسے مرتبہ پر پہنچادیا کہ وہ تمام مخلوق سے اعلیٰ و اشرف بن گیا۔انسان کا تسویہ کیا گیا اور اس کے بعد اس میں روح پھونکی گئی۔چنانچہ سورہ حجر میں بیان کیا ہے :

و اذ قال ربك للملئكة انى خالق بشرا من صلصال من حما مسنون۔ فاذا سويته و نفخت فيه من روحى فقعوا له سجدين۔ (حجر ۱۵ : ۲۸-۲۹)

اور یاد کرو جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں سڑے گارے کی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں تو جب میں اس کو مکمل کرلوں اور اس میں اپنی روح میں سے پھونک دوں تو تم اس کے لئے سجدہ میں گر پڑنا۔

اسی مضمون کی حامل سورہ ص کی آیات ۷۱-۷۲ بھی ہیں۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو یہ حکم دیا تھا کہ آدم کو اس وقت سجدہ کیا جائے جب میں آدم کا تسویہ کرلوں۔یعنی اس کو وجود بخش کر تمام قوتوں اور صلاحیتوں سے آراستہ کرلوں اور اس کے اندر اپنی روح پھونک دوں۔اس سے یہ بات از خود واضح ہو جاتی ہے کہ انسان کو جو کچھ شرف و فضیلت حاصل ہے وہ تمام تر ان قوتوں اور صلاحیتوں اور اس روح یزدانی کی بدولت ہے جو اس کو ودیعت ہوئی۔انہی کی بدولت انسان دوسرے حیوانات سے ممیز ہو کر خلافت کی اس ذمہ داری کو اٹھانے کے قابل ہو گیا جس کا ذکر سورہ بقرہ آیت ۳۰ میں ہے۔

اس مرحلہ کے خدوخال سورہ اعراف میں واضح کیے گئے ہیں۔فرمایا :

ولقد خلقناكم ثم صورنكم ثم قلنا للملئكة اسجدوا لآدم فسجدوا الا ابليس لم يكن من السجدين۔(اعراف ۷ :۱۱)

اور ہم نے تمہارا خاکہ بنایا' پھر تمہاری صورت گری کی' پھر فرشتوں کو فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو۔سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔

یہاں خلق اور تصویر کے دو لفظوں نے تخلیق کی ابتدائی اور انتہائی دونوں حدیں واضح کر دی ہیں۔ہر مخلوق کا ابتدائی مرحلہ تو یہ ہے کہ اس کا خاکہ بنا اور اس کا آخری اور تکمیلی مرحلہ یہ ہے کہ اس کی صورت گری ہوئی اور اس کے ناک نقشے اور نوک پلک درست کیے گئے۔ظاہر ہے یہ سب کچھ از خود یا اتفاقات کا نتیجہ نہیں ہو سکتا۔یہ کسی علیم' قدیر اور مدبر کا موقلم ہو سکتا ہے جو ڈیزائن کرتا ہے' پھر اس میں رنگ بھرتا ہے' پھر اس کی نوک پلک درست کرتا ہے اور یہ سب کچھ کسی مقصد کے لئے ہوتا ہے۔اس جگہ صورت گری کے بعد روح پھونکنے کا ذکر نہیں کیا ہے لیکن قرآن مجید میں دوسرے مقامات میں اس کا بڑی وضاحت سے ذکر ہے۔

اوپر کی آیات سے واضح ہوتا ہے کہ انسان اور حیوان میں امتیازی وصف نور یزدانی (Divine Spark) یا روح ملکوتی کا ہے۔ماہرین ارتقا اس امتیازی وصف کو پہچان نہیں سکے اور انہوں نے انسان کو ایک ترقی یافتہ حیوان سمجھ لیا۔اسی نور یزدانی کے فیض سے انسان کے اندر سمع و بصر و فواد اور عقل میں وہ روشنی پیدا ہوئی جس کے باعث اس کو اشرف المخلوقات کا درجہ حاصل ہوا۔اگر انسان اس روشنی سے محروم ہو جائے تو پھر اس کا باطن بھی اسی طرح تیرہ و تار ہو گا جس طرح حیوانات کا ہے۔کان' آنکھ اور دل حیوانات کے پاس بھی ہیں لیکن نور یزدانی سے محروم ہونے کی وجہ سے ان کی آنکھوں' کانوں اور دلوں میں وہ صلاحیت نہیں ہے جو انسان کے

سمع وبصر اور دل میں ہے۔ ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تسویہ اور نفخ روح سے پہلے انسان پر ایک دور ایسا بھی گزرا ہے جب انسان حیوانات کی طرح ناتراشیدہ اور بصیرت وادراک سے محروم تھا۔ اس دور کے بعد تسویہ نے اس کے ظاہر کو منور اور نفخ روح نے اس کے باطن کو منور کیا۔ ظاہر ہے یہ سب کچھ از خود اور بے سبب نہیں ہو لہٰذا اس کے پیچھے ایک حکیم اور مدبر اور احسن الخالقین کا ارادہ کام کر رہا ہے جس کا ایک مقصد بھی ہے۔

اس بیان سے اس سوال کا جواب بھی مل جاتا ہے کہ ارتقا ایک مرحلہ پر آکر رک کیوں گیا حالانکہ سائنسدانوں نے ارتقاء کا جو نظریہ پیش کیا ہے اس کے مطابق اس کو جاری رہنا چاہئے تھا۔ انسان کے تسویہ کے بعد جب اس کے اندر اللہ تعالیٰ نے اپنی روح پھونکی تو ارتقا کو اس حد پر روک دیا گیا اور پھر نسل انسانی کا سلسلہ حقیر پانی کے خلاصہ سے چلایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے پانی کی اس بوند پر رحم مادر میں کیا کیا تصرفات کیے۔ ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک عاقل وفرزانہ انسان برآمد کر دیا۔ یہ سب کچھ احسن الخالقین کے موقلم کا کرشمہ ہے۔

و بدأ خلق الانسان من طين – ثم جعل نسله من سللة من ماء مهين – ثم سواه و نفخ فيه من روحه و جعل لكم السمع والابصار والافئدة قليلا ماتشكرون (سجدہ ۳۲: ۸-۹)

اس نے انسان کی خلقت کا آغاز مٹی سے کیا، پھر اس کی نسل حقیر پانی کے خلاصے سے چلائی۔ پھر اس کے نوک پلک سنوارے اور اس میں روح پھونکی اور تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دل بنائے۔ تم بہت ہی کم شکر گزار ہوتے ہو۔

ان آیات میں انسان کی خلقت کے مختلف مراحل اور مدارج کی طرف اشارات موجود ہیں۔ بتایا ہے کہ پہلے مرحلہ میں انسان کی حیات کا آغاز مٹی سے ہوا۔ اس کے بعد وہ مرحلہ آیا جس میں اللہ تعالیٰ نے مٹی کے جانوروں مثلاً امیبا کی طرح ایک جانور کی تقسیم در تقسیم کے عمل کے بجائے نر اور مادہ کے ملاپ کو نسل کشی کا ذریعہ بنایا۔ اسی مرحلہ میں انسان وجود میں آگیا لیکن یہ حقیقت میں حیوانات ہی کی طرح کی ایک نوع تھی جو بالکل ناتراشیدہ تھی گویا یہ چار ٹانگوں پر چلنے والے حیوان کی طرح چلنے کی بجائے سیدھا کھڑا ہو کر دو ٹانگوں پر چل سکتا تھا۔ اب وہ مرحلہ آیا جب اللہ تعالیٰ نے اس نوع انسان کے ایک جوڑے کو نفخ روح کے لئے منتخب کیا تو اس میں سمع وبصر اور فواد کی صلاحیتیں پیدا کر دیں۔ یہی مرحلہ تخلیق آدم کا ہے۔ اس جوڑے سے مہذب انسان نے جنم لیا جو دنیا کی خلافت کا اہل تھا اور درجہ بدرجہ اس نے روئے زمین کو آباد کر دیا۔ سورہ مومنون میں

رحم مادر میں انسان کی پرورش کے مختلف مراحل بیان ہوئے ہیں۔

ولقد خلقنا الانسان من سلالة من طين – ثم جلعناه نطفه في قرار مكين – ثم خلقنا النطفه علقة فخلقنا العلقه مضغة فخلقنا المضغة عظما فكسونا العظام لحما ثم انشانه خلقا آخر فتبارك الله احسن الخالقين – (مومنون ۱۲-۱۴)

(ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا، پھر ہم نے پانی کی بوند کی شکل میں اس کو ایک محفوظ مستقر میں رکھا۔ پھر ہم نے پانی کی بوند کو ایک جنین کی شکل دی، پھر جنین کو گوشت کا لوتھڑا بنایا، پھر لوتھڑے کے اندر ہڈیاں پیدا کیں، پھر ہڈیوں کو گوشت کا جامہ پہنایا پھر اس کو ایک بالکل مختلف مخلوق کی شکل میں متشکل کر دیا۔ بس بڑا ہی بابرکت ہے اللہ بہترین پیدا کرنے والا)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ خالق نے انسان کی تخلیق مٹی کے جوہر سے کی۔ پھر اس جوہر سے وجود میں آنے والی پانی کی ایک بوند کو نسل چلنے کا ذریعہ بنایا جس کو قدرت پرورش کر کے درجہ بدرجہ اس طرح پروان چڑھاتی ہے کہ بالآخر وہ سقراط، بقراط، ارسطو اور جالینوس کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس کے اندر ایسی اعلیٰ صلاحیتیں ودیعت فرمائیں کہ وہ فرشتوں کا مسجود اور خلافت کا اہل ٹھہرا۔ انسان کی یہ خلقت جس کے مختلف مراحل بیان ہوئے ہیں خود اس بات کی شاہد ہے کہ وہ کسی اندھے بہرے مادے یا کسی محرک اول یا علت العلل کی ایجاد نہیں ہے اور نہ اس کا ارتقا آپ سے آپ ہو رہا ہے بلکہ وہ سراپا خیر وبرکت ہستی خدائے جود وکرم کا پیدا کیا ہوا ہے جو بہترین خالق ہے۔

رحم مادر میں پانی کی بوند پر جو تصرفات ہوتے ہیں ان کی طرف اشارہ سورہ دہر میں یوں کیا:

انا خلقنا الانسان من نطفه امشاج نبتليه فجعلناه سميعا بصيرا – (دھر – ۲)

(ہم نے انسان کو پیدا کیا پانی کی ایک مخلوط بوند سے۔ ہم اس کو الٹتے پلٹتے رہے یہاں تک کہ ہم نے اس کو دیکھنے اور سننے والا بنا دیا)

پانی کی ایک مخلوط بوند سے مراد مختلف قوئی وعناصر سے مرکب ہونا بھی مراد ہو سکتا ہے اور مرد اور عورت کے نطفوں کا امتزاج بھی۔ یہ امر قابل غور ہے کہ جہاں متضاد عناصر اور متضاد طبائع اور مزاجوں کا امتزاج ہو وہاں ان کے اندر ایسا اعتدال اور توازن برقرار رکھنا کہ پیش نظر مقصد کے لئے صالح نتیجہ برآمد ہو بغیر اس کے ممکن نہیں کہ یہ کام ایک حکیم مدبر کی نگرانی میں ہو۔ کسی اتفاقی حادثہ کی بنا پر اس طرح کے حکیمانہ

کام کا وقوع ممکن نہیں ہے۔

سورہ مومنون میں تخلیق کے جن مراحل کا ذکر ہے ان کی زیادہ وضاحت سورہ حج کی آیت ۵ میں ہے۔ اس میں یہ بتایا ہے کہ یہ کلیتاً ہماری مشیت پر منحصر ہے کہ پیدا ہونے والا بچہ خوبصورت ہو یا بدصورت، ناقص ہو یا کامل۔ کسی دوسرے کے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ بچہ کی جنس تبدیل کر دے یا بدصورت کو خوبصورت یا ناقص کو کامل کر دے۔ یہ حکیم و مدبر کا موقلم ہی ہے جس کو چاہے جس پیکر میں تراش دے۔

سائنسدان اس حقیقت کی توجیہ نہیں کر پائے کہ مرد و عورت کا ساتھ ساتھ ارتقا کیوں ہوتا رہا ہے۔ ان دونوں میں جو سازگاری ہے وہ کیونکر پیدا ہوئی۔ مرد اور عورت دونوں کی شخصیت میں جو خلا ہیں وہ ایک دوسرے سے مل کر کیوں دور ہوتے ہیں۔ اس سازگاری سے بقائے نسل کے لئے قدرت کا عظیم مقصد پورا ہو رہا ہے تو یہ کسی اندھی بہری طاقت کے انکل کا تیر کیونکر ہے کہ اس نے ایک عظیم مقصد کے لئے یہ سازگاری پیدا کر دی ہے۔ سائنسدان نا تمام بچوں، خوبصورت اور بدصورت بچوں کی پیدائش، کھربوں انسانوں کی شکل و صورت میں اختلاف، انسان کی جسمانی مشینری کی پیچیدگی کو بھی محض اتفاق قرار دیتے ہیں۔ ناقص بچوں کے متعلق وہ زیادہ سے زیادہ یہ کہتے ہیں کہ ماں کی بعض بیماریوں یا ان کی ناقص غذا کے سبب ایسا ہوتا ہے۔ انسان کے جسمانی نظام پر صدیوں سے ریسرچ ہو رہی ہے جن کے نتائج پر تیار کردہ لٹریچر سے لائبریریاں بھری پڑی ہیں لیکن ابھی تک اس کی تمام گتھیاں سلجھ نہیں سکی ہیں۔ کیا یہ بھی محض اتفاقات کی کار فرمائی ہے۔

سائنسدان ذہنی طور پر پسماندہ بچوں کی پیدائش کا سبب بھی ناقص غذائیت یا ماں کی صحت کی خرابی بتاتے ہیں لیکن وہ یہ نہیں بیان کرتے کہ جو بچے ذہنی طور پر صحت مند پیدا ہوتے ہیں ان کی قوتوں اور صلاحیتوں کے درمیان اتنا فرق کیوں ہے کہ ایک بچہ اعلیٰ درجہ کا سائنسدان، مفکر یا انشاء پرداز بنتا ہے اور دوسرے بچوں کی صلاحیتیں ان سے کم ہوتی ہیں اور بعض بچوں کی ذہنی صلاحیت اتنی کم ہوتی ہے کہ وہ صرف معمولی درجہ کے کام کر سکتے ہیں۔ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان مختلف صلاحیتیں رکھنے والے اربوں انسان دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ آخر ایسا کیوں ہوتا ہے؟ سائنسدانوں کی تحقیقات کے مطابق بچہ ایک خلیہ سے تشکیل پاتا ہے۔ اس کے دماغ کے خلیوں میں ڈھائی لاکھ فی منٹ کی رفتار سے اضافہ ہوتا ہے۔ پیدائش کے وقت ان دماغی خلیوں کی تعداد ۱۰۰ ارب ہو جاتی ہے جن کا بچہ کے اعصابی نظام سے گہرا تعلق ہوتا ہے جس سے سارے جسم کی حرکات و سکنات کنٹرول ہوتی ہیں۔ دماغی خلیوں کا اعصاب سے تعلق حمل کے تیرھویں ہفتہ سے شروع ہو جاتا ہے۔

اس سے انسان کے دماغی نظام کا ہلکا سا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس نازک اور پیچیدہ نظام کے متعلق یہ کہنا کہ یہ محض اتفاقی یا مادہ ذاتی ہے، ناقابل فہم ہے۔ اس کے برعکس صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کسی حکیم و قدیر اور مدبر کی کار فرمائی ہے جس نے رحم مادر کے صدف میں ایک قطرہ پر تصرفات کر کے عاقل و فرزانہ انسان پیدا کر دیا۔ دور حاضر کے فلسفیوں اور سائنسدانوں کا یہ عجیب اندھا پن ہے کہ انہیں انسان کی خلقت کے تمام مراحل اور مدارج تو نظر آتے ہیں لیکن خالق نظر نہیں آتا۔ غالباً انہوں نے خالق کا نام اتفاق رکھ دیا ہے۔ حالانکہ چشم بینا قدرت اور صناعی کے ہزاروں دفتر دیکھ سکتی ہے۔

سورہ مومن میں بھی یہی مضمون ان لفظوں میں بیان کیا ہے۔

هو الذی خلقكم من تراب ثم من نطفه ثم من علقه ثم يخرجكم طفلا ثم لتبلغوا اشد كم ثم لتكونوا شيوخا و منكم من يتوفى من قبل و لتبلغوا اجلا مسمى و لعلكم تعقلون۔ (مومن: ۶۷)

(وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا مٹی سے، پھر نطفے سے، پھر خون کی پھٹکی سے، پھر وہ تم کو وجود میں لاتا ہے ایک بچہ کی صورت میں، پھر وہ تم کو پروان چڑھاتا ہے کہ تم اپنی جوانی کو پہنچو، پھر وہ تم کو مہلت دیتا ہے کہ تم بڑھاپے پر پہنچو، اور تم میں سے بعض اس سے پہلے مر جاتے ہیں اور بعض کو مہلت دیتا ہے کہ تم ایک مدت معین پوری کرو اور یہ اس لئے کہ تم سمجھو)

یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ حیوانوں کے بچے بالعموم سال دو سال میں جوان ہو جاتے ہیں جبکہ انسان کا بچہ سولہ سترہ سال میں جوانی کی سرحد میں قدم رکھتا ہے۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ انسان کو جو قوتیں اور صلاحیتیں ودیعت کی گئی ہیں حیوانوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ اور کہیں زیادہ ارفع و اعلیٰ ہیں۔ انسان کی بتدریج تربیت کی جاتی ہے تاکہ اس کی عقل و فہم اور قوت ادراک پوری طرح بیدار ہو جائے اور وہ خلافت کی ان ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے قابل ہو سکے جس کے لئے وہ دنیا میں بھیجا گیا ہے۔

ارتقا کا مقصد

مٹی کے خلاصہ پر تصرف کر کے ایک عاقل و فرزانہ انسان بنانے اور زندگی، جو کبھی جانوروں کی شکلوں میں چھپی ہوئی تھی، اس کو درجہ بدرجہ ترقی دے کر احسن تقویم میں بے نقاب کرنے کا کیا کوئی مقصد

ہے یا یہ کوئی کار عبث ہے اور کسی کھلنڈرے نے محض دل بہلانے کے لئے یہ کھیل کھیلا ہے؟ یا دنیا کوئی مال گودام ہے جس میں ہر چیز لا کر ٹھونس دی گئی ہے۔ کائنات پر اگر غور کیا جائے تو اس میں ایک قرینہ 'ایک سلیقہ 'ایک ڈسپلن ظاہر ہوتا ہے اور ہر چیز کی ضرورت اور گوناگوں افادیت نظر آتی ہے۔ سورج چاند' ستارے' سمندر' دشت و جبل' جمادات' نباتات' حیوانات' رات اور دن کی آمد و رفت' گرمی سردی' بارش اور ہواؤں کے تصرفات ہر چیز کا ایک واضح مقصد نظر آتا ہے۔ اگر انسان اس کائنات کی عظمتوں' اس کی حکمتوں' اس کی قدرتوں اس کی شانوں' اس کے عجائبات اور اس کے کسی چھوٹے سے چھوٹے حصہ پر بھی غور کرے تو دنگ رہ جاتا ہے۔ عظیم کائنات پہ حکمت نظر آتی ہے۔ اس کے گوشہ گوشہ سے حکمت' قدرت' رحمت و ربوبیت ظاہر ہوتی ہے۔ ایسی حکیم' مدبر اور قدیر ذات کے متعلق یہ کس طرح باور کیا جا سکتا ہے کہ اس نے بے جان مادہ کو درجہ بدرجہ ترقی دے کر جو انسان بنایا ہے اس کا کوئی مقصد نہیں ہے حالانکہ اس کائنات کا کُل سر سبد تو انسان ہی ہے۔ کیونکہ دنیا کی ہر چیز اس کی خدمت کے لئے سرگرم نظر آتی ہے۔ اس لئے انسان کا ارتقاء' تخلیق آدم اور میلاد آدم بے مقصد نہیں ہو سکتا۔ سائنسدانوں کے نزدیک ہر جسم کے اندر ارتقائی رجحانات مخفی ہیں۔ اس کے لئے ہر حیوان ارتقا کی سیڑھیاں چڑھتا ہے۔ یعنی ارتقا بذات خود مقصد ہے اور اس سے کوئی مقصد حاصل کرنا مطلوب نہیں۔ جبکہ کائنات کا مشاہدہ اس کی شد و مد سے تردید کرتا ہے۔

قرآن مجید اس عقدہ کو حل کر دیتا ہے۔ اس میں یہ وضاحت موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں اپنا ایک نائب بنانے والا ہوں۔ اس لئے جب میں اس کا تسویہ کر لوں اور اس کی نوک پلک سنوار کر اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے سامنے سجدہ کرنا۔ جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ فرشتوں کو انسان کی ذمہ داریوں کے ادا کرنے میں حارج ہونے سے روکا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ انسان اپنی قوت تسخیر کو ہر زمانہ میں بروئے کار لاتا رہا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا کہ جو بار امانت آسمان و زمین نہیں اٹھا سکے اس کو انسان نے اٹھا لیا۔ ظاہر ہے اس بار امانت کو اٹھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو خاص قوتوں اور صلاحیتوں سے بہرہ مند کیا۔ اللہ تعالیٰ کو زمین میں اپنا نائب مقرر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی کیونکہ وہ حی و قیوم ذات ہے اس کو دنیا کا نظام چلانے کے لئے کسی مددگار کی ضرورت نہیں۔ لہذا انسان کو نائب اور خلیفہ بنانے کا اس کے سوا کوئی اور مقصد نہیں ہو سکتا کہ اس کو سمع و بصر اور فواد کی جو صلاحیت بخشی ہے وہ ان کو استعمال کر کے کائنات میں خدا کی قدرت و حکمت'

رحمت و ربوبیت کی شانوں کا مشاہدہ کرے اور پھر اپنے ادراک و تعقل کی صلاحیتوں سے کام لے کر ان کا یہ نتیجہ تسلیم کرے کہ یہ دنیا عبث پیدا نہیں کی گئی ہے۔ اس کو اختیار و آزادی کی جو نعمت ملی ہے اس کو کام میں لائے اور خیر و شر کے شعور کی روشنی میں اپنی مرضی سے خیر کا راستہ اختیار کرے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ایک ایسا دن آئے جہاں ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق جزا و سزا دی جائے۔

خلاصہ بحث

سائنسدانوں کی یہ بات درست ہے کہ زندگی کا ارتقا مٹی' پانی اور کیچڑ سے ہوا۔ قرآن مجید سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ لیکن ان کی یہ بات درست نہیں کہ یہ ارتقا اتفاقی یا حادثاتی ہے یا کسی اندھی بہری قوت محرکہ یا علت العلل کی وجہ سے ہوا اور اس ارتقا کے پیچھے کوئی ذہن اور مقصد کام نہیں کر رہا۔ قرآن مجید کے مطابق اس ارتقا میں حکیم و مدبر اور قدیر اور احسن الخالقین کا ہاتھ ہے۔ زندگی درجہ بدرجہ ترقی کرتی ہوئی انسان کے احسن تقویم میں برآمد ہوئی۔

سائنسدانوں کی یہ بات درست نہیں کہ انسان ایک ترقی یافتہ حیوان ہے کیونکہ انسانوں اور حیوانوں کے درمیان قوتوں اور صلاحیتوں کا عظیم فرق ہے جس سے انسان کے ترقی یافتہ حیوان ہونے کی تردید ہوتی ہے۔ سائنسدان حیوانوں کے درجہ بدرجہ ترقی کر کے انسان تک پہنچنے کے تمام شواہد پیش نہیں کر سکے۔ وہ زیادہ سے زیادہ ون مانس یا جاوا مین تک کی کڑیاں پیش کر سکتے ہیں۔

سائنسدان حیوان اور انسان کے درمیان اس وصف میں امتیاز نہیں کر سکے کہ حیوان صرف جان رکھتے ہیں اور انسان میں جان کے علاوہ روح یزدانی بھی موجود ہے جس میں خیر و شر کا شعور ودیعت کیا گیا اور اس کو اختیار و آزادی کی نعمت عطا کی گئی ہے جبکہ حیوانوں کو ایک ڈگر پر ہانک دیا گیا ہے۔

سائنسدان اس بات کی وضاحت نہیں کر سکے کہ ارتقا رک کیوں گیا ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہ کہتے ہیں کہ اب جسمانی ارتقا نہیں ہو رہا بلکہ ذہنی اور نفسیاتی ارتقاء ہو رہا ہے۔ قرآن مجید کے مطابق جب حکیم و مدبر ذات نے انسان کا تسویہ کر لیا تو اس میں اپنی روح پھونک کر اس کو مسجود ملائک بنایا اور اس کو اعلیٰ قوتوں اور صلاحیتوں سے لیس کیا۔ اس کو خیر و شر کا شعور اور اختیار و ارادہ کی آزادی بخشی۔ جب یہ کامل ترین (Fittest) دور میں آ گیا تو ارتقا کو روک دیا گیا۔

نر اور مادہ کا وجود محض ارتقائی نہیں بلکہ اس کے پیچھے بھی قدرت کا ارادہ کار فرما ہے۔ مرد اور عورت

کی تخلیق کے پیچھے بھی اللہ تعالیٰ کا ارادہ کام کر رہا ہے کیونکہ مرد و عورت میں تضاد کے باوجود ان دونوں میں سازگاری پائی جاتی ہے۔ ایک کی شخصیت دوسرے کے بغیر نامکمل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کے مخلوط نطفے سے نسل انسانی پھیلائی۔ اس نے پانی کی ایک حقیر بوند پر ماں کے پیٹ کے اندر تاریکیوں میں تصرف کر کے ایک عاقل و فرزانہ انسان بر آمد کر دیا۔

ارتقاء بذات خود کوئی مقصد نہیں بلکہ اس کا ایک خاص مقصد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر اپنا خلیفہ بنایا تو اس کے لئے اس نے انسان کو سمع و بصر اور فواد کی صلاحیتیں عطا کیں تاکہ اس کا امتحان کیا جائے کہ وہ اپنی اختیار و آزادی کی نعمت کو خیر کے لئے استعمال کرتا ہے یا شر کے لئے۔

(اس مضمون کی تیاری میں ڈاکٹر محمد رفیع الدین ایم اے پی ایچ ڈی کی کتاب قرآن اور علم جدید کے باب ارتقاء اور مولانا امین احسن اصلاحی کی تفسیر تدبر قرآن سے مدد لی گئی۔ م۔ س)

نالہء فراق

شکستہ خاطر و رنجور و اشکبار ہیں ہم
کہ بزم علم کا یکتائے روزگار گیا
فراہی مکتب فکر و نظر کا تھا وہ امیں
گیا جہاں سے مگر کر کے بیقرار گیا
نثار جس پہ تھے پروانے بجھ گئی وہ شمع
فدا تھے جس پہ عنادل ہو گل عذار گیا
وہ اپنے وقت کا اک مجتہد تھا ایک امام
رواجوں کی حقیقت کا راز دار گیا
وہ جس کی ملک تھے اقلیم ہائے علم و ہنر
شعور فن کی حکومت کا تاجدار گیا
ہمارے ہاتھوں میں دے کر چراغ فکر و نظر
امانتوں کا امیں حق کا پاسدار گیا

(ضیاء الرحمٰن اعظمی)

مکاتیب اصلاحیؒ

عزیزی سلمہ ربہ!

میں بیچ میں بیمار پڑ گیا۔ میرے پیٹ میں اندر کی دیوار میں کوئی پھوڑا نکل آیا ہے۔ اس کا مادہ ناف کے راستے سے خارج ہو رہا ہے اور اب حالت بحمد اللہ روبا صلاح ہے۔ اس صورت حال نے تمام ارادے فسخ کرا دیئے۔ میری صحت کے لئے دعا کرو۔

عبداللطیف سلمہ، اصغر سلمہ کو یہ کارڈ دکھا دیجئے۔ سب کو الگ الگ خط لکھنا زحمت طلب ہے۔ گھر کے مریضوں کا حال بھی وہی ہے۔ والد صاحب اب نسبتاً اچھے ہیں۔

عزیزی مولوی عبداللطیف سلمہ ربہ! آپ اس کارڈ کو اپنے ۷۲ مارچ کے خط کا جواب تصور فرمایئے اور میرے لئے دعا فرمائیں۔

دعا گو

امین احسن اصلاحی

۶۔ اپریل ۱۹۶۰ء

بر مکان جناب حکیم محمد اسحاق صاحب
محلہ کوٹ اعظم گڑھ

عبدالرحمٰن ناصر اصلاحی دہلی

==================

برادرم سلمہ ربہ۔ خط سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بیمار ہیں۔ خیریت کے دو کلمے لکھ کر مطمئن کیجئے۔

دعا گو

امین احسن اصلاحی

۳۱ راگست ۱۹۶۰ء

عبدالرحمٰن ناصر اصلاحی دہلی

۴ر رمضان المبارک ۵۹ھ

عزیزی سلمہ ربہ! آپ کا لفافہ عرصہ ہوا مل گیا تھا- مگر کلو اور صلو دونوں ٹائیفائڈ میں مبتلا ہو گئے تھے جس کی وجہ سے میں ادھر برابر نہایت مصروف اور متردد ہوں-اب الحمدللہ دونوں بچے روبصحت ہیں- کلو کو گھر بھیج دیا ہے- صلو میاں مدرسہ پر میرے ساتھ ہیں-

خدا کرے اب آپ زکام سے نجات پا چکے ہوں- اگر طبیعت صاف نہیں ہوتی تو فوراً تبدیل آب و ہوا کے لئے گھر چلے آیئے- عید میں آپ کے ہاں چھٹی ہوتی ہی ہوگی-

لطیف میاں کہاں ہیں؟ انہوں نے کچھ خبر نہیں لی- رمضان میں انہوں نے کم از کم ضابطہ کی ایک دعوت تو بھیج دی ہوتی- آنا نہ آنا تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں تھا-

صلو میاں کی بیماری کی وجہ سے برادرم مولوی اختر احسن صاحب اب تک مدرسہ ہی پر ہیں مگر اب جلد سیدھا چلے جائیں گے- اور کوئی تازہ حالت نہیں- اصغر سلمہ کو دعا- اگر آپ لوگوں کو انہوں نے کوئی مٹھائی کھلائی ہو تو وہ واپس لے سکتے ہیں اس لئے کہ صحیح روایت یہ ہے کہ ان کے ہاں بچی پیدا ہوئی ہے- مگر اب وہ جنت کے حقدار ہو گئے- اس پر میری طرف سے ان کو مبارکباد دیجئے-

دعاگو

عبدالرحمٰن ناصر اصلاحی دہلی　　　　امین احسن اصلاحی

==================

۲۵ر رمضان المبارک ۶۱ھ

عزیزم سلمہ ربہ- لفافہ ملا- دیہات میں ہونے کی وجہ سے میری ڈاک آج کل بہت گڑبڑ ہے- اس وجہ سے ممکن ہے تمہارے بعض خطوط مجھے نہ ملے ہوں ورنہ جو خطوط آئے ہیں ان کے جواب لکھوانے کی میں نے ضرور کوشش کی ہے-

اصغر احسن سلمہ کی بیماری سے تعلق قلب ہے- آپ ان کی خیریت برابر مجھے لکھتے رہیے اور ان کو دعا پہنچا دیجیے-

ٹوپیوں کے لئے ہرگز عجلت نہیں ہے- جب آیئے گا ساتھ لایئے گا یا ساتھیوں میں سے کوئی آئے تو اس کے ذریعہ سے بھجوا دیجئے گا-

عبداللطیف صاحب کو دعا کے بعد یہ اطلاع پہنچا دیجئے کہ الحمدللہ دس بارہ روز سے مجھے درد اور بخار سے نجات ہے- اب صرف ضعف باقی ہے جو ایک طویل بیماری کا نتیجہ ہے' اس وجہ سے آہستہ آہستہ جائے گا-

دعاگو

عبدالرحمٰن ناصر اصلاحی دہلی　　　　امین احسن اصلاحی

==================

سہور' مبارک پور' اعظم گڑھ

برادرم سلمہ ربہ- بھائی تمہارے احسان کا بہت بہت شکریہ- یہ تم نے وہ کام کیا جو کسی سے بن نہیں آیا- تمہارے شکریہ میں جو دیر ہوئی اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے لڑکی کی طبیعت زیادہ خراب ہو جانے کی وجہ سے اعظم گڑھ سے فوراً واپس آنا پڑا- اور یہاں آ کے میں دنیا سے پھر منقطع ہو گیا- اب ایک کرم اور کرو' وہ یہ کہ اس کی قیمت سے مطلع کرو اور اس کو قبول کرو- اس میں ہرگز تکلف کو راہ نہ دینا- اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ چیز یہاں گھر کے حساب میں ہے اور گھر والے دام دے سکتے ہیں- رہا میں تو میں آنعزیز کے احسانات کا مستحق بھی ہوں اور محتاج بھی ہوں' چنانچہ دیکھو کہ تم سے کبھی تکلف نہیں کرتا-

مریض دل کا حال اچھا نہیں ہے- ان دنوں ایک ہومیوپیتھ کا علاج ہو رہا ہے مگر کوئی فائدہ نہیں ہے- مریض دل کا بہلاوا ہے- تدبیر تمام ہو چکی اب تقدیر کے فیصلہ کا انتظار کر رہا ہوں اور جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہے یہاں ہوں- اعظم گڑھ میں تم لوگوں سے آسانی سے ملاقات ہو جاتی تھی اور دل کے بہلاوے کا کچھ سامان ہو جاتا تھا- یہاں صرف افکار سے سابقہ ہے- امید ہے تمہارے بچے بخیر ہوں گے اور گھر میں بھی سب خیریت ہوگی- مجھے لوگ جانتے ہوں تو دعا کہہ دینا- قیمت سے ضرور مطلع کرنا اور کوئی موقع ملے تو ملنے کی بھی کوشش کرنا- تمہارے زکام کا اب کیا حال ہے؟

دعاگو

عبدالرحمٰن ناصر اصلاحی سیدھا سلطان پور　　　　امین احسن اصلاحی ۳۱ دسمبر ۴۳ء

==================

دارالاسلام' جمال پور' پٹھان کوٹ

برادرم سلمہ ربہ- کارڈ ملا- عبداللطیف خان سے ایک امر میں خود مجھ کو مراسلت کرنی پڑی- وہ اچھے ہیں اور اپریل کے شروع میں یہاں آنے کا خیال ظاہر کیا ہے- اگر پھر ان کو خط لکھنا ہوا تو آپ کی شکایت ان کو

ضرور پہنچادوں گا۔

بھائی میں نے تو بہت فرار کی کوشش کی مگر معلوم ہوتا ہے نوشتہ تقدیر یہی ہے۔ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس رشتہ کو راس لائے۔ اس مسئلہ کی وجہ سے مجھے ایک عرصہ سے سخت الجھن رہی اور اب تک ہے۔

والسلام

عبدالرحمٰن ناصر اصلاحی سیدھا سلطان پور　　　امین احسن اصلاحی ۱۷ر مارچ ۴۵ء

====================

دارالسلام، جمال پور، پٹھان کوٹ

عزیزم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آتے وقت آپ سے نہ مل سکنے کا مجھے بھی حد درجہ افسوس رہا لیکن اولاً تو میں آخر تک نہایت مشغول رہا۔ ثانیاً آپ تک پیغام پہنچانے میں سخت زحمتیں تھیں۔ بہر حال میں ۴ر اپریل کو ان شاء اللہ الہ آباد پہنچ جاؤں گا اور وہاں سے دو ایک دن کے لئے اعظم گڑھ بھی آنے کا خیال ہے۔ میرا چھوٹا چچہ وہیں ہے اس کو ساتھ لاؤں گا۔

پرسوں یہاں عبداللطیف صاحب آرہے ہیں اور میں پرسوں ہی یہاں سے روانہ ہونے والا تھا۔ اب ان کے لئے ایک روز ٹھہر جاؤں گا۔ گھر میں آج کل راہوں ہیں۔ اپنے بچوں کو دعا کہیے۔

دعا گو

عبدالرحمٰن ناصر اصلاحی، سیدھا سلطان پور　　　امین احسن

====================

مہور، مبارک پور، اعظم گڑھ

برادرم

۱۸ رمضان کی صبح کو میری اہلیہ نے انتقال کیا۔ مرحومہ کے لئے دعا کیجئے۔ عزیزی مولوی عبدالرحمٰن ناصر سلمہ کو بھی اس واقعہ کی اطلاع کر دیجئے اور درخواست دعا۔

والسلام

مولانا اختر احسن اصلاحی، سیدھا سلطان پور ڈاکخانہ سرائے میر　　　امین احسن اصلاحی

اس خط کی مہر ۸ ستمبر ۴۴ء کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجری سن ۱۳۶۳ کے رمضان میں مولانا کی اہلیہ کا انتقال ہوا۔ (مدیر)

تالیفات امام حمید الدین فراہیؒ

	روپے پیسے
۱۔ مجموعہ تفاسیر فراہی	328 - 00
۲۔ حکمت قرآن	84 - 00

تالیفات مولانا امین احسن اصلاحیؒ

۱۔ تدبر قرآن کامل۔ (9 جلد)	2,952 - 00
(فی جلد)	328 - 00
۲۔ مبادی تدبر قرآن	105 - 00
۳۔ مبادی تدبر حدیث	90 - 00
۴۔ حقیقت شرک و توحید	144 - 00
۵۔ حقیقت نماز	54 - 00
۶۔ حقیقت تقویٰ	54 - 00
۷۔ تزکیہ نفس: جلد دوم	105 - 00
۸۔ دعوت دین اور اس کا طریق کار	105 - 00
۹۔ اسلامی قانون کی تدوین	78 - 00
۱۰۔ اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل	78 - 00
۱۱۔ اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام	105 - 00
۱۲۔ قرآن میں پردے کے احکام	12 - 00
۱۳۔ فلسفے کے بنیادی مسائل۔ قرآن حکیم کی روشنی میں	120 - 00
۱۴۔ تفہیم دین	90 - 00
۱۵۔ مقالات اصلاحی: جلد اول	165 - 00

فاران فاؤنڈیشن

122 - فیروز پور روڈ، اچھرہ، لاہور- 54600- پاکستان

فون - 7595200